النور
جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلہ
اشاعت خصوصی
قرآن کریم نمبر
نومبر - دسمبر 2003
إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون

لا إله إلا الله محمد رسول الله

THERE IS NONE WORTHY OF WORSHIP EXCEPT ALLAH ; MUHAMMAD IS THE MESSENGER OF ALLAH

THE
AITUL FUTU
MOSQUE

Copyright (c) 2003 www.alislam.org

يُخْرِجَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الطلاق ٦٥: ١٢)

النــــور

شمارہ خصوصی نومبر- دسمبر 2003ء

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیتی اور ادبی مجلّہ

نگران اعلیٰ : ڈاکٹر احسان اللہ ظفر امیر جماعت احمدیہ یو۔ایس۔اے

مدیر اعلیٰ : ڈاکٹر نصیر احمد

مدیران : ناصر احمد جمیل

عمران حئی

معاونین : امجد ایم خان

منصورہ منہاس

پرنٹرز : فضلِ عمر پریس ایتھنز اوہائیو۔ یو۔ایس۔اے

لکھنے کا پتہ : Editors Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

فہرس

درس القرآن

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

اس ذکر کو ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ ایک نہایت ہی زبردست آیت ہے اور ایسی عجیب ہے۔ کہ اکیلی قرآن مجید کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے اس میں کتنی تاکیدیں کی گئی ہیں۔ پہلے اِنَّ لایا گیا ہے۔ پھر نا کی تاکید نَحْن سے کی گئی ہے۔ اور پھر آگے چل کر ایک اور اِنَّ اور لام لایا گیا ہے۔ گویا تاکید پر تاکید کی گئی ہے۔ کفار نے اِنَّكَ لَمَجْنُوْن کے جملہ میں دوسری تاکید سے کام لے کر تمسخر کیا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ تاکید کے چار ذرائع استعمال کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ سنو! ہم نے ہاں یقیناً ہم نے ہی اس شرف وعزت والے کلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا ہے۔ اور ہم اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یقیناً ہم اس کی خود حفاظت کریں گے۔ اللہ اللہ کتنا زور ہے کس قدر حتمی وعدہ ہے۔

اس آیت کے متعلق یہ لطیفہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کفار کے طنز میں ایک یہ معنے بھی پائے جاتے ہیں کہ ایسا بڑا زبردست کلام جس نے دنیا کو شرف بخشا ہے اس کے ساتھ تو فرشتے بھی آنے چاہیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نادانو! تم فرشتے کہتے ہو۔ اس کلام کی تو وہ عظمت ہے۔ کہ اس کی حفاظت کے لئے ہم خود آئیں گے اور دیکھیں گے۔ کہ کون اس کلام پر بدنیتی سے ہاتھ ڈالتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فرشتے قرآن کریم کی حفاظت نہیں کرتے۔ کیونکہ جب خدا جو آقا ہے وہ حفاظت کرتا ہے۔ تو فرشتے تو بدرجہ اولیٰ حفاظت کریں گے۔ مگر اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ فرما کر ایک زائد بات بیان کی کہ اس میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جن کی حفاظت فرشتے بھی نہیں کر سکتے بلکہ ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لی ہے۔ ہر چیز کی حفاظت فرشتے کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے براہ راست حفاظت کرنے میں ایک حکمت ہے۔ اور قرآن مجید کو عام چیزوں سے ممتاز کرنے والا فرق ہے جسے میں آگے چل کر بیان کروں گا۔

یہ آیت اسلام کی صداقت کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ اور اگر کوئی بے تعصب انسان اس آیت پر غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ دعویٰ انسانی نہیں۔ تمام مفسر متفق ہیں کہ یہ سورۃ مکی ہے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ یہ آیت دعویٰ نبوت کے چوتھے سال میں نازل ہوئی۔ انگریز مصنف عام طور پر اس بات کے شائق ہوتے ہیں کہ وہ مسلمان مفسرین سے اختلاف کریں۔ اور اس کے لئے انہوں نے ایک انٹرنل شہادت (اندرونی شہادت) کا قاعدہ بنا رکھا ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ بات قرآن کے اندر

سے نکلتی ہے۔مگر وہ اس طریق کو ایسا غلط اور بے جا استعمال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندرونی شہادت قران کی نہیں ہوتی بلکہ ان کے نفس کی ہوتی ہے۔مگر اس ضمن میں مجھے انگریزی حوالے دیکھتے ہوئے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس بارہ میں مستشرقین کو بھی اختلاف کی گنجائش نہیں ملی۔ چنانچہ سپرینجر نے کہا ہے کہ یہ سورۃ دعویٰ نبوت کے چوتھے سال میں نازل ہوئی تھی۔روڈویل جس نے ترتیب کی تحقیق کے متعلق بزعم خود ایک کمال حاصل کیا ہے۔لکھتا ہے کہ یہ سورۃ ابتدائی سالوں کی سورتوں میں سے ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی ترتیب میں اسے ابتدائی سالوں کی سورتوں میں ہی رکھا ہے۔نولڈک نے کسی قدر اختلاف کیا ہے اور اس کی بنیاد وہی غلط قاعدہ (انٹرنل شہادت کا) ہے۔وہ لکھتا ہے کہ:-

1۔اس میں کفار کی سختیوں کا ذکر ہے۔اس لئے یہ ابتدائی سالوں کی سورۃ نہیں ہوسکتی۔

2۔اس میں یُسَبِّحِ بِحَمْدِہٖ آتا ہے۔یہ باتی ابتدائی سورتوں میں نہیں آتا۔لہٰذا یہ بھی ابتدائی زمانہ کی نہیں۔

3۔اس میں مشرکین کا لفظ ہے۔اس لئے یہ ابتدائی زمانہ کی نہیں ہوسکتی۔ہاں مکی ضرور ہے۔مکی زندگی کے آخری ایام میں اتری ہے۔

مجھے اس سے بحث نہیں کہ نولڈک کی بات درست ہے یا دوسروں کی۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نئی تحقیق والے عرب اور یوروپین مصنّف مفسّرین کے ساتھ مل کر بالاتفاق کہتے ہیں کہ یہ سورۃ مکی ہے مکی زندگی کے آخری سال بھی نہایت ہی خطرناک تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت شعب ابی طالب میں محبوس تھے جب کہ مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے جگہ نہ ملتی تھی۔ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ فرشتوں کی کیا ضرورت ہے ہم خود اس کی حفاظت کریںگے۔ کتنا زوردار اور پرشوکت دعویٰ ہے۔اس فقرہ اِنَّـــا نَحْنُ نَزَّلْنَاالذِّکْرَوَاِنَّالَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کی طاقت کو وہی لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو عربی جانتے ہیں۔کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جب مسلمان خود گھیرے ہوئے تھے اور ان کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے کہا جاتا ہے کہ تم سارا زور لگالو اور قرآن مجید کے مٹانے کے لئے پوری طاقت خرچ کردو ہم خود اس کی حفاظت کریں گے۔اور ایک دن ایسا آتا ہے کہ ان مخالفتوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی آزاد ہوتے ہیں۔ آپؐ کو ترقی ملتی ہے ایک عظیم الشان جماعت آپؐ کے ساتھ ہوجاتی ہے اور قرآن مجید کی کما حقہ حفاظت ہوتی ہے۔اور آج تک ہورہی ہے۔اور ہوتی رہے گی کیا یہ بے نظیر حفاظت دنیا کی اور کسی مذہبی کتاب کو حاصل ہوئی ہے؟ سرولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں بحث کے بعد لکھتا ہے۔

"What we have, Though possibly created and modified created and modified by himself, is still his won."

ترجمہ:اب جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ گویہ بالکل ممکن ہے کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم) نے اپنے زمانہ میں اسے خود بنایا ہو۔اور بعض دفعہ اس میں خود ہی بعض تبدیلیاں بھی کردی ہوں۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ وہی قرآن ہے۔ جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں دیا تھا۔

2۔پھر وہ لکھتا ہے۔

"We may upon the strongest presumption affirm that every vers in the Qur'an is genuine and unaltered composition of muhammad himself."

ترجمہ:ہم نہایت مضبوط قیاسات کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں۔کہ ہر ایک آیت جو قرآن میں ہے وہ اصلی ہے۔اور محمدؐ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غیر محرف تصنیف ہے۔

3۔پھر یہ بحث کرنے کے بعد کہ قرآن کی ترتیب ہمیں سمجھ نہیں آتی۔لکھتا ہے کہ:-

"There is otherwise every security internal and external that we possess the text which muhammad himself gave forth and used"

ترجمہ:اس کے علاوہ ہمارے پاس ہر ایک قسم کی ضمانت موجود ہے۔ اندرونی شہادت کی بھی اور بیرونی کی بھی۔کہ یہ کتاب جو ہمارے پاس ہے۔ وہی ہے جو خود محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔اور اسے استعمال کیا کرتے تھے۔

4۔پھر لکھتا ہے:-

"And conclude with atleast a close apporoximation to the verdict of Van Hammer that we hold the Qur'an to be as surely Muhammad's words as the Muhammadans held it to be the word of God".

ترجمہ: ہم وان ہیمر کے مندرجہ ذیل فیصلہ کے بالکل مطابق نہ سہی۔کم سے کم اس کے خیال کے بہت موافق فیصلہ تک پہنچتے ہیں۔وان ہیمر کا فیصلہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو قرآن موجود ہے۔اس کے متعلق ہم ویسے ہی یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اصلی صورت میں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا بنایا ہوا کلام ہے۔جس یقین سے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ وہ خدا کا غیر مبدّل کلام ہے۔

5۔نولڈک کا قول ہے۔

"Slight clerical errors there may have been, but the Qur'an of othman contains none but gennine elements, though sometime in very strange order. Efforts of european scholars to prove the existence of later interpolations in the Qur'an have failed.

ترجمہ: ممکن ہے کہ تحریر کی کوئی معمولی غلطیاں (طرز تحریر) ہوں تو ہوں۔ لیکن جو قرآن عثمانؓ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اس کا مضمون وہی ہے۔ جو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پیش کیا تھا۔ گو اس کی ترتیب عجیب ہے یوروپین علماء کی یہ کوششیں کہ وہ ثابت کریں کہ قرآن میں بعد کے زمانہ میں بھی کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ بالکل ناکام ثابت ہوئی ہیں۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ قرآن)

یہ وہ شہادتیں ہیں جو اسلام کے شدید ترین دشمنوں کی ہیں اور اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ۔

قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے پر کتنی بڑی شہادت ہے کہ قرآن کریم امیوں میں آتا ہے اور ہر طرح سے محفوظ رہتا ہے مگر تورات اور انجیل اپنے زمانہ کی علمی قوموں میں آئیں لیکن محفوظ نہ رہ سکیں۔ میور اس کے متعلق کیا ہی پر حسرت الفاظ لکھتا ہے۔

"To Compare their pure texts with the various readings of our scriptures is to compare things between which threre is no analogy.

ترجمہ: مسلمانوں کی بالکل پاک اور غیر تبدیل شدہ کتاب اور ہماری کتب کے مختلف نسخوں کے باہمی اختلاف کا مقابلہ کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ دو ایسی چیزوں کا مقابلہ کیا جائے جن میں باہمی کوئی بھی مشابہت نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ ایک اتفاق ہے کہ قرآن شریف آج تک محفوظ ہے؟ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ اتفاق نہیں بلکہ اس کی ظاہر حفاظت الکتاب اور قرآن مبین کے دو ذریعوں سے ہوتی ہے جن کا ذکر اس سورۃ کے شروع ہی میں کیا گیا ہے۔ شروع نزول ہی سے اس کی آیات لکھی جانے لگیں اور اس کی حفاظت ہوتی گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے عشاق عطا کئے جو اس کے ایک ایک لفظ کو حفظ کرتے اور رات دن خود پڑھتے اور دوسروں کو سناتے تھے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کسی نہ کسی حصے کا نمازوں میں پڑھنا فرض مقرر کر دیا اور شرط لگا دی کہ کتاب میں سے دیکھ کر نہیں بلکہ یاد سے پڑھا جائے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بات سوجھی گئی تھی تو ہم کہتے ہیں کہ یہی بات زرتشت موسیٰ اور وید والوں کو کیوں نہ سوجھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سوجھانے والا کوئی اور ہے۔ کولمبس جب امریکہ کو دریافت کر کے واپس آ گیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ کونسی بڑی بات ہے ہم جاتے تو ہم بھی امریکہ کو دریافت کر لیتے۔ مگر کولمبس نے اس کے جواب میں ایک انڈا دے کر کہا۔ کہ تم یہ انڈا میز پر کھڑا کر دو۔ سب نے کوشش کی۔ مگر وہ کھڑا نہ ہوا۔ آخر میں کولمبس اٹھا اور اس نے ایک سوئی سے اس میں چھید کیا اور اسے جو لعاب نکلا اس کی مدد سے اسے میز پر کھڑا کر دیا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ایسا تو ہم بھی کر سکتے تھے۔ کولمبس نے کہا کہ امریکہ کی دریافت کے بارہ میں تو تم کو موقعہ مل گیا تھا۔ کیوں نہ تم نے اپنی عقل سے کام لیا پس ایسا ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ ذرائع حفاظت کے جو قرآن کے بارہ میں استعمال کئے گئے۔ آخر کیوں قرآن کریم کے پیش کرنے والے کو ہی سوجھے کیوں دوسری جماعتوں نے اسے استعمال نہ کیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ ایسے آدمیوں کا میسر آنا جو اسے حفظ کرتے اور نمازوں میں پڑھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاقت میں نہ تھا۔ ان کا مہیا کرنا آپؐ کے اختیار سے باہر تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کہ ایسے لوگ ہم پیدا کرتے رہیں گے جو اسے حفظ کریں گے آج اس اعلان پر تیرہ سو سال ہو چکے ہیں اور قرآن مجید کے کروڑوں حافظ گزر چکے ہیں بعض یوروپین ناواقفیت کی وجہ سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ اتنا بڑا فرق کس کو یاد رہتا ہوگا مگر قادیان ہی میں کئی حافظ مل سکتے ہیں۔ جنہیں اچھی طرح سے قرآن یاد ہے۔ چنانچہ میرے بڑے لڑکے ناصر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی گیارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قران مجید کو اپنے خاص تصرف سے ایسے الفاظ اور ایسی ترکیب سے نازل فرمایا ہے کہ وہ سہولت سے حفظ ہو جاتا ہے قرآن شعر نہیں مگر شعر سے بھی زیادہ جلد یاد ہو جاتا ہے اردو یا انگریزی کی عبارتوں کی نسبت قرآن شریف کے حفظ کرنے پر نصف وقت بھی صرف نہیں ہوتا۔

ایک انگریز مترجم قرآن لکھتا ہے کہ قرآن ایسی عبارت میں ہے کہ اس کو بغیر ترتیل کے پڑھنے کے چارہ ہی نہیں۔ پس قرآن مجید کی زبان ان اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ سامانوں میں سے ہے جن کے ذریعہ سے قرآن مجید کی حفاظت کی جاتی ہے۔ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے ایسے آدمیوں کو پیدا کیا جو اسے شروع سے لے کر آخر تک حفظ کرتے تھے۔ دوسرے اسے زبان ایسی سہل اور دل نشین بنائی کہ سہولت سے یاد ہو جائے۔ سوم اس کی تلاوت نمازوں میں فرض کر دی چہارم لوگوں کے دلوں میں اس کے پڑھنے کی غیر معمولی محبت پیدا کر دی۔

عیسائی لوگ ہمیشہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسلمان قرآن کریم کو بے معنی ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ اس کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ بھی اس آیت میں مذکور وعدہ کی تصدیق ہے۔ مسلمانوں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح قرآن کریم کی محبت ڈال دی ہے کہ معنی آئیں یا نہ آئیں وہ اسے پڑھتے چلے جاتے ہیں یقیناً ہر مسلمان کا فرض ہے کہ قرآن کریم کو با معنی پڑھے

اور اس طرف سے تغافل بڑی تباہی کا موجب ہوا ہے۔مگر باوجود معنے نہ جاننے کے مسلمانوں کا قرآن کریم کو یاد کرتے چلے جانا یقیناً اس آیت میں مذکور وعدہ کے پورا ہونے کی دلیل ہے۔

آج اگر بائیبل کے سارے نسخے جلا دیئے جائیں تو بائبل کے پیرو اس کا بیسواں حصہ بھی دوبارہ جمع نہیں کر سکتے۔لیکن قرآن مجید کو یہ فخر حاصل ہے کہ اگر (بفرض محال) سارے نسخے قرآن مجید کے دنیا سے مفقود کر دیئے جائیں۔تب بھی دو تین دن کے اندر مکمل قرآن مجید موجود ہو سکتا ہے اور بڑے شہرے تو الگ رہے ہم قادیان جیسی چھوٹی بستی میں اسے فوراً حرف بحرف لکھوا سکتے ہیں۔

دنیا کی کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں کہ جسے مٹا دیا جائے اور وہ پھر بھی محفوظ رہے۔سوائے قرآن پاک کے۔

ایک ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے لئے یہ مقرر فرمایا کہ ایسے سامان کر دئے کہ قرآن مجید اپنے نزول کے معاً بعد تمام دنیا میں پھیل گیا اور اب اس میں تغیرّ وتبدل کا امکان ہی نہیں رہا۔کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ روسی حکومت نے ارادہ کیا کہ جہاد کی آیات نکال کر قرآن چھپوائیں۔مگر اسے بتایا گیا کہ قرآن مجید تو تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔اور یہ آیات ہر جگہ موجود ہیں۔پھر تم ان کو کیسے نکال سکو گے۔اس سے وہ اپنے ارادوں سے باز رہی۔

ایک ذریعہ قرآن مجید کی حفاظت کا یہ تھا کہ اسلامی علوم کی بنیاد قرآن مجید پر قائم ہوئی۔اس ذریعہ سے اس کی ہر حرکت وسکون محفوظ ہو گئے۔مثلاً نحو پیدا ہوئی تو قرآن مجید کی خدمت کے لئے۔ چنانچہ نحو کے پیدا ہونے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ابوالاسود دؤلی حضرت علیؓ کے پاس آئے کہ ایک نیا مسلمان ''اِنَّ اللّٰہَ بَرِیءٌ'' پڑھ رہا تھا۔جس سے ڈر ہے کہ نومسلموں کو قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں مشکل پیش آئے حضرت علیؓ۔اس وقت گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔اسی حالت میں آپ انہیں بعض قواعد نحو بتاتے چلے گئے اور فرمایا کہ اس قسم کے قواعد کو ضبط میں لے آؤ۔اس سے ان نومسلموں کو صحیح تلاوت کی توفیق ملے گی اور کچھ قواعد بنا کر فرمایا۔اُنْحُ نَحْوَہٗ یعنی اسی رنگ میں اور قواعد تیار کر لو اس فقرہ کی وجہ سے عربی گریمر کا نام نحو پڑ گیا۔پھر مسلمانوں نے تاریخ ایجاد کی۔تو قرآن مجید کی خدمت کی غرض سے کیونکہ قرآن مجید میں مختلف اقوام کے حالات آئے تھے۔ان کو جمع کرنے لگے۔تو باقی دنیا کے حالات بھی ساتھ ہی جمع کر دیئے۔پھر علم حدیث شروع ہوا۔ تو قرآن مجید کی خدمت کے لئے۔تا معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے کیا معنے کئے ہیں۔

پھر اہل فلسفہ کے قرآن مجید پر اعتراضات کے دفعیہ کے لئے مسلمانوں نے فلسفہ وغیرہ علوم کی تجدید کی اور علم منطق کے لئے نئی مگر زیادہ محقق راہ نکالی۔ پھر طب کی بنیاد بھی قرآن مجید کے توجہ دلانے پر ہی قائم ہوئی۔نحو میں مثالیں دیتے تھے۔تو قرآن مجید کی آیات کی۔ادب میں بہترین مجموعہ قرآن مجید کی آیات کو قرار دیا گیا تھا۔غرض ہر علم میں آیات قرآنی کو بطور حوالہ نقل کیا جاتا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان سب کتابوں سے آیات کو جمع کیا جائے۔تو ان سے بھی سارا قرآن جمع ہو جائے گا۔مسلمانوں میں قرآن کریم کی خدمت کے لئے دوسرے علوم کی طرف رجوع کا ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہوا کہ پہلی کتابوں سے تو دنیوی علماء کا طبقہ سخت بیزار تھا مگر مسلمانوں میں سے ان علوم کے ماہر ہمیشہ قرآن مجید کے خادم رہے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم سچے علوم کا دشمن نہیں بلکہ موید ہے۔

ایک بہت بڑا ذریعہ قرآن مجید کی حفاظت کا یہ بھی ہوا۔کہ نزول قرآن کے بعد علمی عربی زبان کی تبدیلی بند ہو گئی۔عربی کے سوا دنیا میں کوئی ایسی زبان نہیں پائی جاتی جو آج بھی وہی جو جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھی۔چاسر اور شیکسپیر کی تین سو سال قبل کی انگریزی کی تشریح کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ بہت بدل چکی ہے۔مگر قرآن مجید کے سمجھنے کے لئے پرانی لغتوں کی ضرورت نہیں۔کیونکہ جو شخص علمی عربی آج پڑھتا ہے وہ قرآن کریم کو بھی بغیر کسی کی مدد کے سمجھ سکتا ہے۔

ان ظاہری سامانوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ایک ایسا ذریعہ بھی مقرر کیا جس میں ملائکہ کا بھی دخل نہیں اور وہ الہام ہے۔ الہام میں ملائکہ بعض اوقات صرف پہنچانے والے ہوتے ہیں۔مگر انہیں اس کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا۔

حق یہ ہے کہ خدا کا کلام بندے کے ساتھ براہ راست ہوتا ہے۔ملائکہ صرف بطور واسطہ کے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ'' کہہ کر یہ بتایا ہے کہ ہم کلام کی آئندہ تازہ بتازہ الہام کے ذریعہ سے حفاظت کرتے رہیں گے۔ یعنی مجدّد اور مامور وغیرہ مبعوث کرتے رہیں گے۔

یہ ظاہر ہے کہ جس کتاب کے لفظ تو محفوظ ہوں۔مگر معنوں کی حفاظت نہ ہو وہ محفوظ کتاب نہیں کہلا سکتی۔مثلاً وید ہیں اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وہ لفظاً محفوظ ہیں۔تو بھی وہ کتاب کامل ہونے کے لحاظ سے محفوظ نہیں۔کیونکہ جس زبان میں وہ نازل ہوئے ہیں وہ محفوظ نہیں رہی۔اس لئے اس کے معانی بالکل مشتبہ ہو گئے ہیں۔اب اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پا کر کوئی شخص اس کے صحیح معانی نہ بتائے۔ تو کون یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ اس کا صحیح

مطلب بیان کر رہا ہے۔ یا اس کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ یہ نقص اسی صورت میں دور ہو سکتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد ایسے لوگ کھڑے ہوتے رہیں جو کتاب کے صحیح مفہوم کی طرف لوگوں کو لاتے رہیں اور یہ حفاظت دائمی طور پر قرآن کریم ہی کو حاصل ہے۔ بیشک دوسری کتب سماویہ کو بھی اس عرصہ میں کہ وہ زندہ کتب تھیں یعنے دنیا کے لئے قابل عمل تھیں۔ یہ حفاظت حاصل تھی مگر اب نہیں اب صرف قرآن کریم ہی کو یہ حفاظت حاصل ہے۔ صرف اس کے ماننے والے ہر زمانہ میں خداتعالیٰ سے براہ راست الہام پانے کے مدعی ہوتے چلے آئے ہیں اور اس زمانہ میں کہ دین سے غفلت انتہاء کو پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مامور مبعوث فرمایا ہے کہ جس نے کلی طور پر قرآن کی تفسیروں کو زوائد اور حشو سے پاک کر کے اصلی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن جو اسی زمانہ کے علوم کے سامنے ایک معذرت خواہ کی صورت میں کھڑا تھا۔ اب ایک حملہ آور کی صورت میں کھڑا ہے جس کے سامنے سب فلسفے اور مذاہب اس طرح بھاگ رہے ہیں جیسے شیر کے سامنے سے لومڑ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْعَزِیْزِ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا دعویٰ ہے کہ اس مامور کی اِتّباع کی برکت سے کسی علم کا متبع خواہ قرآن کریم کے کسی مسئلہ پر حملہ کرے۔ میں اس کا معقول اور مدلّل جواب دے سکتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر ذی علم کو ساکت کر سکتا ہوں۔ خواہ وقتی جوش کے ماتحت وہ علی الاعلان اقرار کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ میں نے اس کا ربع صدی سے زیادہ عرصہ تجربہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب سے اس میدان میں داخل ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر و باطن میں کبھی مجھے اس بارہ میں شرمندہ ہونے کا موقعہ نہیں ملا۔

غرض خداتعالیٰ نے قرآن مجید کی معنوی حفاظت کا مدار صرف عقل پر ہی نہیں رکھا اور اس کی تشریح کا انحصار صرف انسانی دماغ پر ہی نہیں چھوڑا۔ بلکہ خود اپنے کلام سے اس کو ظاہر فرمانے کا ذمہ لیا ہے۔ جس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب اس طرح سے عمل پھل ظاہر ہوتے ہیں تو قرآن مجید کے محفوظ ہونے کا ایک بین ثبوت ملتا رہتا ہے۔ دوائی اگر فائدہ کرتی ہے تو ہم اسے تازہ سمجھتے ہیں۔ ورنہ بوسیدہ سمجھتے ہیں قرآن مجید کے تازہ پھل بھی ثابت کرتے رہتے ہیں کہ قرآن مجید محفوظ اور زندہ کتاب ہے اور یہ قرآن مجید کی حفاظت کا ایسا زبردست ذریعہ ہے جو اور کسی کتاب کو میسر نہیں اور نہ کبھی ہوگا۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ ذِکر کے معنے شرف اور نصیحت کے بھی ہیں۔ قرآن کریم کا نام ذکر اس لئے رکھا گیا کہ اس کے ذریعہ سے اس کے ماننے والوں کو شرف اور تقویٰ حاصل ہوگا پس اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ یہ کلام جس کا یہ دعویٰ ہے کہ میرے ذریعہ سے ماننے والوں کو شرف اور عزّت اور تقویٰ ملے گا ہمارا ہی اتارا ہوا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ یعنی ان صفات کو عملاً پورا کرنا ہمارا ہی کام ہے۔ اگر یہ صفات اس کی ظاہر نہ ہوں تو گویا اس کی تعلیم ضائع گئی۔ مگر ہم ایسا نہ ہونے دینگے۔

اس آیت میں کفّار کی تباہی اور مسلمانوں کے غلبہ کی بھی پیشگوئی ہے کیونکہ قرآن کریم ہر قسم کی سیاسی۔ اقتصادی اور نظامی تعلیمات کا مجموعہ ہے اور شرعی کلام جب تک اپنے ابتدائی ایام میں ایک حکومت کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ اس کی تعلیم کے عملی حصہ کی خوبیاں پوری طرح ظاہر نہیں ہوسکتیں۔ پس الذکر کی حفاظت کے لئے ایک حاکم قوم کی ضرورت تھی اور ایسی قوم کے قیام سے پہلے عرب کی موجود الوقت حکومت کی تباہی لازمی تھی۔

لوگ اسلامی حکومت کے قیام کو ایک اتفاق کہہ دیا کرتے ہیں۔ اوّل تو محض اسلامی حکومت کے قیام بھی ان حالات کو دیکھتے ہوئے جن میں وہ قائم ہوئی کسی صورت میں اتفاق نہیں کہلا سکتا۔ لیکن اس پیشگوئی کو دیکھتے ہوئے تو کوئی انسان جس میں ذرا بھر عقل ہو۔ اسے اتفاق نہیں کہہ سکتا۔

قرآن یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ عربوں کی حکومت ٹوٹ کر ان کی جگہ مسلمانوں کی حکومت ہو جائے گی۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے گی۔

(1) جو خدا ترس ہوں گے۔ (2) جو دنیا کی نگاہ میں اعلیٰ شرف والے قرار پائینگے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہزاروں حکومتیں ٹوٹتی ہیں اور دوسری ان کی جگہ لیتی ہیں۔ مگر کیا ہر حکومت کے ٹوٹنے کے بعد جو دوسری حکومت جگہ لیتی ہے وہ انہی صفات کی حامل ہوتی ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے؟ مگر اس پیشگوئی کے نتیجہ میں عرب کی حکومت ٹوٹ کر کیسی حکومت قائم ہوئی؟ شدید سے شدید دشمن بھی جو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے جب ابوبکرؓ اور عمرؓ تک پہنچتا ہے تو عزّت سے گردن جھکا لیتا ہے اور ان کے تقویٰ اور عقل اور فہم اور نیک انتظام اور ایثار اور قربانی کا اعتراف کرتا ہے اس قسم کی حکومت قائم ہو جانا بھی کیا اتفاق کہلا سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ پیشگوئی کے ماتحت بھی اور قرآن کریم میں صاف کہہ دیا گیا تھا کہ:

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (انبیاء ع)

ہم نے یقیناً تمہاری طرف ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے شرف دینی اور دنیوی عزت کے سامان موجود ہیں۔ پھر تم کیوں مخالفت

سے باز نہیں آتے۔ اسی صفت کے کمال کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کریم کا نام بعض دفعہ اَلذِّکر آتا ہے اور آیت زیر تفسیر میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اے کفار! تم طنز سے کہتے ہو کہ اے وہ شخص جس پر وہ کلام نازل ہوا ہے جس میں ماننے والوں کے لئے بڑی عزت اور تقویٰ کا دعویٰ کیا گیا ہے تو پاگل ہے مگر میں تم کو بتاتا ہوں کہ یہ کلام میرا ہی نازل کیا ہوا ہے اور میں اس شرف کے وعدہ کو ضرور پورا کر کے رہوں گا۔ کیونکہ یہ شرعی کلام ہے اور بغیر اس کے ابتدائی زمانہ میں اس کے ماننے والوں کو حکومت ملے اور دینی رتبہ کے ساتھ دنیوی رتبہ بھی حاصل ہو۔ یہ کلام عملی جامہ نہیں پہن سکتا اور غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ میں موجودہ نظام کو توڑ کر وہ نظام قائم کروں جس میں مسلمانوں کو قرآنی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کا موقعہ ملے اور ان کو ایسے شرف اور تقویٰ کے اظہار کا موقعہ ملے جس کا وعدہ قرآن میں کیا گیا ہے۔ یہ مضمون اس آیت کو وَمَا اَھۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ والی آیت کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

ایک سوال کا حل اس موقعہ پر ضروری ہے میں نے اس نوٹ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ہر نبی کے کلام کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اگلی آیات اس مضمون کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ قانون ہر نبی کے متعلق ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ درست ہے تو کیا (1) پہلے انبیاء کی وحی اب تک بعینہٖ محفوظ ہے۔ (2) اگر نہیں تو پھر یہ کیونکر تسلیم کیا جائے کہ یہ بھی پہلے انبیاء کی وحیوں کی طرح کسی وقت بگڑ جائے گا اس سوال کا جواب خود آیت زیر تفسیر کے الفاظ ہی دے رہے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ ہم قرآن کی حفاظت کریں گے یا کتاب کی حفاظت کریں گے بلکہ اَلذِّکر کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ اس لفظ کو استعمال کر کے حفاظت کے دائرہ کو محدود کر دیا گیا ہے۔ جب تک کوئی کلام الذکر رہے یعنی (1) ایک طرف تو بندہ اور خدا تعالیٰ کی یاد میں سرشار رہے۔ اور (2) دوسری طرف اسے ایسا مقام عطا کرے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا رہے یعنے خدا تعالیٰ کی وحی اور نصرت اور امداد بندہ کو حاصل رہے اس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ ذمہ لیتا ہے جو کلام ان خوبیوں کا حامل رہے گا۔ خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا اور جو کلام ان خوبیوں کا حامل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت چھوڑ دیگا۔

یہ امر ظاہر ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی کلام کو دنیا کے لئے قابل عمل سمجھے گا۔ اس میں یہ خوبیاں پائی جائیں گی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی کلام کو ضرورت زمانہ کے پورا کرنے سے قاصر قرار دے دیگا اور اس کی حفاظت چھوڑ دے گا تا کہ نئے سرے سے ایسا کلام نازل کرے۔ جو ضرورت زمانہ کے مطابق ہو تو مذکورہ بالا امور اس نئے کلام کے ذریعہ سے پورے ہونے لگیں گے اور سابق کلام سے پورے نہ ہونگے۔ اور جب وہ ضرورت جس کے لئے کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ پوری نہ ہوگی۔ تو اس کی حفاظت کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی حفاظت اٹھ جائے گی تو شرارتی لوگوں کو اس کلام میں دخل دینے کا اور تحریف کرنے کا موقعہ بھی ملتا رہے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ باوجود اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے کہ وہ ہر نبی کی وحی کی حفاظت کرے گا۔ پہلے انبیاء کی وحی اگر محفوظ نہیں رہی۔ تو قابل اعتراض نہیں۔ کیونکہ قرآن نے الذکر کی شرط لگائی ہے۔ جب تک وہ الذکر رہے۔ ان کی حفاظت ہوتی رہی۔ جب وہ الذکر نہ رہے ان کی حفاظت کا وعدہ ختم ہو گیا۔ اور یہ کہ وہ الذکر نہ رہے۔ ایک بدیہی بات ہے۔ کم سے کم اپنے زمانہ میں ہم میں سے ہر اک اس کا تجربہ کر سکتا ہے۔ آج کل سوائے اسلام کے ایک مذہب بھی نہیں جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ اس کے پیروؤں میں کوئی ایسا شخص موجود ہے۔ جو الذکر کا عملی ثبوت ہو یعنے اس کا یہ دعویٰ ہو کہ اپنے مذہب کی کتاب پر چل کر اسے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اسے یاد کرتا ہے یعنی اس سے کلام کرتا ہے اور اس کے لئے اپنی قدرتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جو الذکر کا مفہوم ہے۔ پس جب عملاً وہ کتب الذکر کا مصداق نہیں رہیں تو ان کی حفاظت بھی جاتی رہی اور ان کے محرف و مبدّل ہونے میں کوئی آسمانی روک نہیں باقی رہا سوال کا یہ حصہ کہ پھر کیوں قرآن کریم کی نسبت بھی یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ وہ بھی حفاظت سے باہر ہو گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اب تک الذکر ہے۔ اس پر چل کر آج بھی انسان خدا تعالیٰ کو پا سکتا ہے پس چونکہ وہ اس ضرورت کو پورا کر رہا ہے جس کے لئے اسے نازل کیا گیا تھا وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت سے باہر نہیں ہو سکتا اور کسی کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ اس کے اندر کوئی تغیر و تبدّل کرے۔

اب رہا سوال آئندہ کا سو اس کا اول تو یہ جواب ہے کہ اس وقت تک اس میں کوئی تغیّر نہیں ہوا۔ اور آئندہ کے لئے قرآن کریم میں پیشگوئیاں موجود ہیں کہ جب بھی مسلمان اسلام سے غافل ہوں گے اللہ تعالیٰ مامور بھیجتا رہے گا۔ پس اس وعدہ کی موجودگی میں ہم یقین رکھتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم سے ہمیشہ دنیا کی ضرورت پوری ہوتی رہے گی وہ نسخ کو قبول نہیں کرے گا اور جب وہ نسخ کو قبول نہیں کرے گا۔ تو یقیناً وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا کیونکہ کوئی عقلمند اپنی کار آمد شے کو تباہ نہیں ہونے دیتا اور اللہ تعالیٰ تو سب عقلمندوں سے بڑھ کر عقلمند ہے۔ (تفسیر کبیر جلد چہارم حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

درس الحدیث

نشہ پیدا کرنے والی چیزوں کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے

(ماخوذ از چالیس جواہر پارے مؤلفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَام" ۔

(ابوداؤد)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرتی ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

تشریح: یہ لطیف حدیث جہاں شراب اور ہر دوسری نشہ آور چیز کو حرام قرار دیتی ہے وہاں اس حدیث میں حکیمانہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تک ایک بدی کو اس کی جڑھ سے نہ کاٹا جائے اور اس کے تمام امکانی رخنوں کو بند نہ کیا جائے اس کا سد باب ممکن نہیں ہوتا اس لئے یہ خیال کرنا کہ چونکہ شراب یا دوسری مسکرات کی تھوڑی مقدار نشہ پیدا نہیں کرتی، لہٰذا ان کے محدود استعمال میں حرج نہیں ایک خطرناک غلطی ہے۔ انسانی فطرت کچھ اس طرح پر واقعہ ہوئی ہے کہ جب اسے کسی چیز کی اجازت دی جائے تو پھر وہ اس قسم کے باریک فرقوں کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا کہ مجھے فلاں حد سے آگے نہیں جانا چاہئے۔ خصوصاً نشہ پیدا کرنے والی چیزوں میں یہ خطرہ بہت ہی زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس میدان میں ایک دفعہ قدم رکھنے کے بعد اکثر انسان آگے بڑھنے سے رک نہیں سکتے اور رتی سے ماشہ اور ماشہ سے تولہ اور تولہ سے چھٹانک اور چھٹانک سے سیر کی طرف قدم بڑھاتے چلے جاتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے کمال حکمت سے شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کی تھوڑی مقدار کو بھی حرام قرار دیا ہے تا کہ اس قسم کی خطرناک بدیوں کا جڑھ سے استیصال کیا جا سکے۔ دنیا میں لاکھوں انسان محض اس وجہ سے تباہ ہوئے ہیں کہ انہوں نے شروع شروع میں شراب کے چند قطرے پی کر جسم میں وقتی گرمی اور دماغ میں عارضی چمک پیدا کرنے کی کوشش کی اور پھر ایسے پھسلے کہ دن رات مدہوش رہنے لگے۔ یہی حال افیون اور مارفیا اور بھنگ چرس وغیرہ کے استعمال کا ہے کہ ان چیزوں کا تھوڑا تھوڑا استعمال بالآخر زیادہ استعمال کی طرف دھکیلتا ہے اور ساحل سمندر کے پایاب پانی میں کھیلنے والا انسان آخر کار غرقاب پانی میں پہنچ کر دم توڑ دیتا ہے اس لئے قرآن شریف نے شراب اور جوئے کے بعض فوائد کو تسلیم کرنے کے باوجود حکم دیا ہے کہ اِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا "یعنی بے شک شراب اور جوئے میں بعض فوائد بھی ہیں لیکن ان کی مضرتوں کا پہلو ان کے فوائد کے پہلو سے بہت زیادہ بھاری ہے۔" پس سچے مؤمنوں کو بہر حال ان چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اگر اس جگہ یہ سوال کیا جائے کہ چونکہ استثنائی طور پر بعض ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اپنے آپ کو شراب کے قلیل استعمال پر روک سکتے ہیں اور ان کے متعلق اعتدال کی حد سے تجاوز کرنے کا خطرہ نہیں ہوتا تو کیا ایسے لوگوں کیلئے شراب کا محدود استعمال جائز سمجھا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں بلکہ پھر بھی شراب کا استعمال کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہوگا کیونکہ اول تو اس قسم کے قوانین میں اکثریت اور عمومیت کے پہلو کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ یعنی جب ایک چیز ملک وقوم کے کثیر حصہ کیلئے یقینی طور پر نقصان دہ ہو تو قانونی عمومیت کے پیش نظر یہ چیز قلیل حصہ کیلئے بھی حرام کر دی جاتی ہے کیونکہ اس کے بغیر اس قسم کے قوانین قائم نہیں رہ سکتے۔ دوسرے اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ گو آج ایک شخص ضبط نفس سے کام لے سکتا ہے مگر کل کو وہ پھسل کر اپنے ضبط کو کھو نہیں بیٹھے گا۔ تیسرے اس

حدیث میں شراب کی ساری مضرتیں بیان نہیں کی گئیں بلکہ صرف مثال کے طور پر نشہ یعنی مدہوشی والی مضرت کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ شراب کے بعض نقصانات اس کے علاوہ بھی ہیں۔ پس اگر بالفرض کسی خاص شخص کے متعلق شراب میں مدہوشی والی مضرت موجود نہ ہوتو پھر بھی وہ دوسری مضرتوں کی وجہ سے حرام سمجھی جائے گی اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اسے ہر صورت میں حرام قرار دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث میں ہمارے آقا ﷺ نے ہمیں تین اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ (اول) یہ کہ ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز مسلمانوں پر حرام ہے خواہ وہ شراب ہو یا بھنگ چرس یا افیم ہو یا کوئی اور چیز ہو (دوم) یہ کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کوئی شخص یہ بہانہ رکھ کر شراب یا افیم یا بھنگ وغیرہ استعمال نہیں کر سکتا کہ میں تو صرف ایسی مقدار میں استعمال کرتا ہوں جو نشہ پیدا نہیں کرتی (سوم) یہ کہ اس قسم کی بدیوں کے سدباب کا صحیح طریق یہ ہے کہ انہیں جڑھ سے کاٹا جائے اور ان تمام امکانی رخنوں کو بند کیا جائے جہاں سے بدی داخل ہو سکتی ہے کیونکہ اگر بدی کے داخل ہونے کا راستہ کھلا ہوگا تو لازماً بدی کے داخل ہونے کا امکان بھی قائم رہے گا۔

(ماخوذ از چالیس جواہر پارے)

☆☆☆☆☆

کلام الامام

فضائل قران مجید

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاکیزہ منظوم کلام سے انتخاب)

جمال و حُسن قراں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قراں ہے

نظیر اُس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

بہار جاوداں پیدا ہے اُس کی ہر عبارت سے
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بُستاں ہے

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہیں وگر لعل بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قول بشر کیوں کر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرار لاعلمی
سُخن میں اُس کے ہمتائی، کہاں مقدورِ انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیوں کر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

قرآن کا اعلیٰ و ارفع مقام

(مکرم عبدالکریم صاحب خالد لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بابرکت وجود کے ذریعے ہمیں قرآن پاک کی حقیقی عظمت اور اس کے ارفع مقام سے آشنا کیا۔ آپ نے قرآن پاک کی محبت دلوں میں اجاگر کی اور بنی نوع انسان کو یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ انسان کی بھلائی اور اخروی نجات صرف قرآن پاک سے وابستہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

''اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔ میں کہتا ہوں درحقیقت یہی ایک ہتھیار ہے جواب بھی کارگر ہے اور ہمیشہ کے لئے کارگر ہوگا اور پہلے بھی قرون اولیٰ میں یہی ایک حربہ تھا جو خود حضور سرور عالم ﷺ اور صحابہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ مبارکی اور صد ہزار مبارکی ہے اس قوم کو جو اس کے اختیار کرنے اور اسی یگانہ کتاب کو اپنا مایہ ایمان قرار دینے میں ذرہ بھی تردد اور تذبذب میں نہیں پڑی، بڑے جوش اور خوشی کے ساتھ آگے بڑھ کر اس فرقاں اور نور کو لبیک کہا۔''

(الحکم، 17راکتوبر 1900ء صفحہ 5)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الفاظ میں قرآن پاک کو فتح کا حربہ اور سراپا نور قرار دیا گیا ہے جس کے سامنے ظلمت کا ٹھہرنا ناممکن ہے۔ یہ نور اور روشنی کا سرچشمہ کسی خاص عہد سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر دور میں اور ہمیشہ اس نور کا فیضان جاری رہے گا اور اس نور اور فیضان کو حاصل کرنے والے صد ہزار مبارک باد کے لائق ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا ایک اہم مقصد

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد قرآن پاک کو ایک زندہ کتاب ثابت کرنا اور دنیا کو اس کے اصل مقام سے آگاہی بخشنا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

'' قرآن شریف کے انوار و برکات اور اس کی تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں۔

چنانچہ میں اس وقت اسی ثبوت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔''

(ملفوظات جلد چہارم، نیا ایڈیشن صفحہ 450)

چنانچہ آپ نہ صرف قرآن پاک کا رفیع المنزلت ہونا ثابت کیا بلکہ اس کے کمالات کو اس شان سے بیان فرمایا کہ قرآن ایک زندہ کتاب کے طور پر آپ کے معتقدین اور ماننے والوں کے قلوب پر چشمہ اصفی بن کر جاری ہو گیا۔ آپ نے قرآن پاک کی برکات، فیوض اور اس کے کمالات کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

'' قرآن مجید باوجود ان تمام کمالات بلاغت و فصاحت و احاطہ حکمت و معرفت ایک روحانی تاثیر اپنی ذات بابرکات میں ایسی رکھتا ہے کہ اس کا سچا اتباع انسان کو مستقیم الحال اور منور الباطن اور منشرح الصدر اور مقبول الٰہی اور قابل خطاب حضرت عزت بنا دیتا ہے اور اس میں وہ انوار پیدا کرتا ہے اور وہ فیوض غیبی اور تائیدات لاریبی اس کے شامل حال کر دیتا ہے کہ جو اغیار میں ہرگز پائی نہیں جاتیں۔''

(براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 507-506)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں قرآن پاک کا ارفع مقام اپنی تمام جزئیات کے ساتھ واضح ہوتا ہے۔ آپ نے پہلی بار دنیا کو ان کمالات، حقائق اور معجزات کی خبر دی جو خدا کی اس عظیم اور مقدس کتاب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ قرآن پاک جیسی مقدس اور بابرکت کتاب کا نزول نبوت محمدیہؐ کا ایک بہت بڑا فیض ہے۔ یہ ایک کامل اور پر حکمت کتاب ہے جو حقائق و معارف پر مشتمل ہے، اسرار روحانیہ سے لبریز، اعلیٰ اور اکمل تعلیمات کی حامل اور اقوام عالم کی ہدایت کا موجب ہے۔

قرآن کریم کی عظمت

قرآن پاک کے ارفع مقام اور اس کی عظمت کا اندازہ خود قرآن کی گواہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن پاک میں کئی ایک مقامات پر اس کی اکملیت، جامعیت اور رفعت و عظمت کے بارے میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''و ھذا ذکر مبرک انزلنہ.''

(سورۃ الانبیاء آیت 51)

اور یہ (قرآن) ایسی یاددہانی کرنے والی کتاب ہے، جس میں تمام آسمانی کتابوں کی خوبیاں بہہ کر آ گئی ہیں۔ اس کو ہم نے اتارا ہے۔

پھر فرمایا:

"فیھا کتب قیمة."

(سورۃ البینۃ آیت 4)

یعنی جتنی سچی اور قائم رکھی جانے والی ضروری تعلیمات تھیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ ایک اور جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"و انه لذکر لک و لقومک."

(سورۃ الزخرف آیت 4)

یعنی یہ (قرآن) تیرے لئے بھی شرف وعزت کا موجب ہے اور تیری قوم کے لئے بھی۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ھذا ذکر من معی و ذکر من قبلی."

(سورۃ الانبیاء آیت 25)

یعنی (یہ قرآن) تو ان کے لئے بھی جو میرے ساتھ ہیں شرف کا موجب ہے اور جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے لئے بھی شرف کا موجب ہے۔

''پہلوں کے لئے اس طرح کہ پہلے لوگوں پر جو ان کی امتوں نے جھوٹ باندھ کر اعتراض پیدا کر دیئے تھے۔ قرآن نے وہ سب دور کر دیئے اور اس طرح اول اور آخر کے لئے شرف کا موجب ہو گیا۔''

(تفسیر صغیر صفحہ 411)

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

"شفاء لما فی الصدور o"

(سورۃ یونس:58)

یعنی (قرآن) جملہ روحانی بیماریوں کا علاج ہے اور انسانی نفوس میں جس قدر وساوس ہوتے ہیں ان کو دور کرنے والی شفابخش دوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین o"

(سورۃ الانعام:60)

یعنی سچ اور جھوٹ اور حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی ہر ضروری بات، خواہ کسی کو پسند ہو یا ناپسند، اس میں بیان کر دی گئی ہے۔

یہ آیات قرآن پاک کے اعلیٰ اور ارفع مقام پر بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہیں۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں انسانی زندگی کے مختلف شعبوں اور جملہ علوم انسانی کا مکمل احاطہ کیا گیا ہو۔ یہ ایک کامل اور عالمگیر کتاب ہے جس میں تمام نوع بشر کے لئے ایسے اصول اور قوانین پیش کئے گئے ہیں جو کسی خاص ملک وقوم اور کسی خاص زمانے کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس کی ہر تعلیم عالمگیر اور قیامت تک کے لئے ہے۔

صحائف سابقہ میں قرآن کریم کی عظمت کا ذکر

قرآن پاک کی عظمت اور اس کے ارفع مقام پر سب سے بڑی دلیل تو خود قرآن پاک کی وہ آیات ہیں جن میں سے چند کا حوالہ گزشتہ سطور میں دیا گیا ہے۔ تاہم اس کی عظمت پر صحائف سابقہ کی شہادت بھی اہم ہے۔ صحائف سابقہ میں قرآن پاک کا ذکر اس لئے آیا تا ان صحائف پر ایمان لانے والی امتیں اس شریعت کاملہ پر بھی ایمان لائیں اور اس کی ہدایات وتعلیمات پر عمل کر کے دائمی زندگی حاصل کریں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔''

(استثناء باب 18 آیت 18)

ایک دوسری جگہ پر قرآن پاک کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی۔''

(استثناء باب 33 آیت 2)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا..........''

(یوحنا باب 16 آیت 12-13)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

''میں تو تم کو توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔''

(متی باب 3 آیت 11)

اس پیشگوئی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن پاک کی تعلیمات جلالی اور جمالی دونوں رنگ اپنے اندر رکھتی ہوں گی اور تبشیر وانذار دونوں قسم کے مواعظ اس میں ہوں گے۔ یوحنا عارف اپنے مکاشفہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے:

''پھر میں نے ایک اور فرشتہ کو آسمان کے بیچ میں اڑتے ہوئے دیکھا جس کے پاس زمین کے رہنے والوں کی ہر قوم اور قبیلہ اور اہل زبان اور امت کے

سنانے کے لئے ابدی خوش خبری تھی۔"

(مکاشفہ یوحنا باب 14 آیت 6)

اس مکاشفہ میں قرآن پاک کی شریعت کو عالمگیر قرار دیا گیا اور جمالی برکات پر مشتمل ہونے کے باعث اسے "ابدی خوش خبری" کا نام دیا گیا۔

کامل اور عالمگیر کتاب

توریت اور انجیل کی ان پیش خبریوں کے مطابق آسمانی کتاب (قرآن پاک) تمام سچائی کی راہ بیان کرے گی اور سب ضروری باتیں اس میں مذکور ہوں گی اور اس کی تعلیمات عالمگیر نوعیت کی حامل ہوں گی اور اس کی ہدایات ساری دنیا کے لئے ہوں گی اور وہ ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہوں گی۔ ان تمام باتوں کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متعلق فرمایا:

" .... الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا............"

(سورۃ المائدہ آیت 4)

(یعنی) آج میں نے تمہارے (فائدہ کے) لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنے احسان کو پورا کر دیا ہے اور تمہارے لئے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا ہے۔

پھر فرمایا:

" ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم و یبشر المومنین الذین یعملون الصلحت ان لھم اجرا کبیرا ○"

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 10)

یعنی یہ قرآن یقیناً اس (راہ کی) کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ درست ہے اور مومنوں کو جو مناسب حال کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے (بہت) بڑا اجر (مقدر) ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو کامل شریعت اور اس کی تعلیمات اور ہدایات کو بہترین اور دائمی ٹھہرایا ہے۔ اسے سچائی اور راستی کی راہ پیش کرنے والا بتایا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شریعت کے ہر پہلو کو اکمل و اعلیٰ صورت میں قرآن پاک نے ہی پیش کیا ہے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعلق رکھنے والے شریعت کے تمام حصوں کو صرف اور صرف قرآن پاک نے ہی بڑی خوبی اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ گویا قرآن پاک ایک مکمل ترین دستور حیات اور اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا آخری اور قطعی منشور زندگی ہے۔ کائنات، انسان، زندگی اور فطرت کے تمام مظاہر اس کتاب میں سمٹ آئے ہیں۔

یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

سب سے اہم بات، جو قرآن پاک کی عظمت و شان اور اس کے ارفع مقام کو دلوں میں راسخ کر دیتی ہے، یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس وقت جتنی کتابیں بھی انبیاءؑ کی طرف منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو کتاب اللہ ہونے کا دعویٰ کر سکے۔

قرآن کریم کا محفوظ رہنا

قرآن پاک واحد کتاب ہے جس میں وحی الٰہی کے اصل الفاظ محفوظ ہیں اور یہ ہر قسم کی تحریف لفظی و معنوی سے پاک ہے جب کہ دیگر کتب انسانی دستبرد سے محفوظ نہیں رہیں اور وہ لفظی و معنوی دونوں اعتبار سے محروف و مبدل ہو چکی ہیں۔ قرآن پاک میں تحریف ثابت کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوئی ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی وحی کو ایک دائمی معجزہ کی حیثیت دے دی۔ حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں:

" ما من الانبیاء نبی الا اعطی ما مثله امن علیه البشر و انما کان الذی اوتیت و حیا اوحاہ اللّٰہ الی فارجوا ان اکون اکثر ھم تابعا یوم القیامۃ." (البخاری)

انبیاء میں سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا مگر اسے اس کی مثل معجزہ دیا گیا جس کی وجہ سے لوگ اس پر ایمان لائے اور جو معجزہ مجھے دیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو اس نے مجھ پر نازل کی۔ اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن سب انبیاء کی نسبت میرے پیرو زیادہ ہوں گے۔

اس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے قرآن پاک کی وحی کو دوسرے انبیاء کی وحی سے افضل و برتر بتایا ہے اور اسے ایک دائمی معجزہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس افضلیت اور اعجاز کو خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

" قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثله ولو کانا بعضھم لبعض ظھیرا ○"

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 89)

یعنی تو انہیں کہہ دے کہ اگر تمام انسان بھی اور جن بھی اس قرآن کی نظیر لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو پھر بھی وہ اس کی نظر نہیں لا سکیں گے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔

چنانچہ قرآن پاک جہاں ہر قسم کے بیرونی دخل سے پاک، تحریف سے مبرا اور خدا تعالیٰ کے الفاظ **انانحن نزلنا الذکر و انالہ لحفظون** کے مطابق اپنی اصلی حالت میں پوری طرح محفوظ ہے وہاں قرآن پاک کی تاثیر کا اعجاز بھی اپنی پوری شان اور آب و تاب کے ساتھ آج تک قائم اور قیامت تک رہے گا۔

قرآن کریم کے فیوض وبرکات

قرآن پاک کے ارفع اور اعلیٰ مقام کو جان لینے کے بعد ان فیوض اور برکات کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اس سے وابستہ کر دی ہیں۔ اس سلسلے میں ہادی برحق حضرت محمد ﷺ نے اپنی احادیث میں بکثرت قرآن پاک کے فیوض اور اس کی برکات کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "خیر کم من تعلم القرآن و علمه ." (البخاری کتاب فضائل القرآن) یعنی تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ پھر فرمایا" تعلموا القران فاقرء وه ۔"(مشکٰوة . کتاب فضائل القرآن)

یعنی تم قرآن سیکھو اور اس کو پڑھتے رہو۔

پھر فرمایا: " اقرء و القران فانه يلقى يوم القيامة شفيعا لا صحابه." (صحیح مسلم ر مشکٰوۃ) یعنی قرآن پڑھا کرو کیونکہ قرآن پاک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔

آپؐ فرماتے ہیں " ان اللّٰه يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع به آخرين ."
(مشکٰوة کتاب فضائل القرآن)

یعنی اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو پڑھنے والی اور اس کی تعلیم پر عمل کرنے والی قوموں کو دین و دنیا میں رفعت اور ترقی عطا کرے گا اور دوسروں کو ذلیل و پست کرے گا۔

دین حق کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی روحانیت کو جاری کرنے، اس کے فضائل و برکات سے دنیا کو آگاہ کرنے اور ایک زندہ اور قائم رہنے والی کتاب کے طور پر اس کے ارفع مقام کو منوانے کے لئے جماعت احمدیہ کو کھڑا کیا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جس تحدی کے ساتھ قرآن پاک کی عظمت و رفعت کو بیان فرمایا، آج کی جدید دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ نے جس درد اور الحاح کے ساتھ بنی نوع انسان کو قرآن پاک کی طرف متوجہ فرمایا ہے اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی خلش تھی جو ہر لحہ آپ کو بے چین رکھتی تھی، کوئی جذبہ تھا جو آپ کو بے قرار رکھتا تھا کہ خدانخواستہ اگر لوگ قرآن کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ایک بڑے انعام سے محروم ہو جائیں گے۔ حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں:

"..........تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ ﷺ۔"
(کشتی نوح صفحہ 13 ر روحانی خزائن جلد 19)

آپؑ فرماتے ہیں:۔

"سوتم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا الخیر كله في القرآن ۔ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔"
(کشتی نوح صفحہ 26، 27 روحانی خزائن جلد 19)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایک لفظ تمثال دار آئینے کی طرح قرآن پاک کی روحانی تجلیات کو منعکس کرتا نظر آتا ہے۔ جیسا کہ خاکسار مضمون کے آغاز میں عرض کر چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہماری روحانی نسبت کا یہ فیضان ہے کہ آپ کے ذریعے ہم اس قرآن تک رسائی کے قابل ہوئے جو خدا کا کلام ہے۔ اور آپ ہی کے ذریعے ہم پر قرآن کے وہ مطالب اور مفاہیم آشکار ہوئے جو ایک عام انسان کے فہم سے بالا اور اس کی عقل سے بعید ہیں۔

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن نا تمام ہے

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

بہار جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

آیئے! حضرت مہدی معہود علیہ السلام کے ان مبارک الفاظ کو سرمہ بصیرت جان کر اپنی آنکھوں میں لگائیں۔ ان کلمات کو اپنے دل میں اتاریں، اس دربے بہا سے اپنی روحوں کی زیبائش کا اہتمام کریں۔ اپنے آپ کو، اپنی اولادوں کو اور اپنے خاندانوں کو قرآن کے سائے میں لے آئیں کہ زندگی کی کڑی دھوپ میں ایک سایۂ عافیت یہی ہے جو انسان کو دنیا کے جھمیلوں سے آزاد کر کے اپنے خالق و مالک کے قدموں میں لا ڈالتا ہے۔

آیئے! ہم اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ان الفاظ پر کان دھریں اور انہیں اپنی روح کا جزو بنالیں کہ:

''ہر گھر والے کا فرض ہے کہ وہ قرآن کریم کی طرف توجہ دے۔ قرآن کے معانی سمجھنے کی طرف توجہ دے۔ ایک بھی آپ کے گھر کا فرد ایسا نہ ہو جو روزانہ قرآن کریم پڑھنے کی عادت نہ رکھتا ہو۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4 جولائی 1997ء)

(بشکریہ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ اگست 2002)

☆☆☆☆☆

مرحبا صد مرحبا

(مکرم عطاء المجیب صاحب راشد امام مسجد فضل لنڈن)

حزن کے بادل چھٹے گزری شب تاریک وتار
گلشن احمد میں پھر آئی بہار اندر بہار
قدسیوں میں تذکرہ ہے حضرتِ مسرور کا
ہے یہی نغمہ لبوں پہ ہر کہیں لیل و نہار

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

سر بسجدہ ہیں جبینیں لطف اور احسان پر
حق تعالیٰ کی عطا پر اُس کے اِس فیضان پر
غمزدہ چہرے دمک اُٹھے ہیں سب اکناف میں
قدرت ثانی کے جلوہ کی نرالی شان پر

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

دیں کی مضبوطی کے ساماں کر دیئے مولا نے پھر
خوف سب جاتا رہا اللہ کی رسّی تھام کر
ملّتِ احمد کو پھر سے مل گیا عزمِ جواں
سوئے منزل ہے رواں یہ قافلہ بارِ دگر

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

نورِ دیں نے دیں بشارت اپنی اک تقریر میں
دل یہ کہتا ہے کہ پوری ہوگی اب تفسیر میں
قدرتِ حق نے بٹھایا تجھ کو اس مسند پہ ہے
اب وہی کافی ہے ہر دم ایک اک تدبیر میں

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

تیرا آنا قدرتِ قادر کا اک زندہ نشاں
کارواں بڑھتا چلے گا ہر زمان و ہر مکاں
نصرتِ مولیٰ کا وعدہ عرش سے تیرے لئے
تیرے پیاروں کی دعائیں ساتھ تیرے ہر زماں

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

جمع و ترتیب قرآن

(مکرم نور الحق خان صاحب۔کولمبس،اوہایو)

قرآن اس مقدس کتاب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی تیئیس (23) سال کے عرصہ میں تھوڑی تھوڑی کر کے نازل فرمائی۔ (25:33) قرآن کا لفظی معنی ہے ''کثرت سے پڑھا جانے والا''

اپنے دعویٰ رسالت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ آپؐ نے مکہ کی بستی سے باہر جانب مشرق غار حرا میں کئی کئی روز تک خدا تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے۔ اپنا کھانا پینا بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ ایک رات جب آنحضورؐ وہاں محو یاد الٰہی تھے اللہ تعالیٰ کا فرشتہ جبرائیلؑ آپ کو دکھائی دیا۔ اس نے آنحضرتؐ سے کہا اِقْرَاْ یعنی پڑھ۔ اس پر آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا مَا اَنَا بِقَارِءٍ کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ فرشتے نے پھر سے کہا اِقْرَاْ اور آپؐ نے نے پھر یہی جواب میں کہا کہ مَا اَنَا بِقَارِءٍ۔ اس پر جبرائیلؑ نے آپ کو بغلگیر ہو کر بھینچا اور تیسری دفعہ کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o ترجمہ اس کا یوں ہے: پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو ایک چمٹ جانے والے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے زیادہ معزز ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (سورۃ علق 96:2-6)

یہ پانچ آیات سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ یہی وحی سب سے اول نازل ہوئی۔ یہ واقعہ 610ء میں رمضان کے مہینہ میں 24ویں رات پیش آیا۔ (97:2) - (2:186)۔ لفظ آیت کا معنی 'نشانی' ہے۔ اس پہلی وحی کے بعد چھ ماہ تک فترت کا زمانہ تھا جس میں کوئی وحی نہیں اتری۔ پھر اس کے بعد سورہ المدثر نازل ہوئی۔ شروع زمانہ رسالت میں ایک وقت میں صرف چند آیات ہی نازل ہوا کرتی تھیں اور پھر اگلی وحی نازل ہونے تک کافی وقفہ پڑ جاتا تھا۔ بعض اوقات یہ وقفہ کئی ماہ تک ممتد ہوتا تھا جیسا کہ اوپر کی مثال میں لکھا گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو نازل شدہ وحی کے اچھی طرح حفظ کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ نزول وحی میں بھی تیزی ہوتی گئی یعنی وقفے کم اور مقدار وحی زیادہ ہوتی گئے۔

آنحضرتؐ نازل ہونے والی ہر وحی کو فوراً حفظ فرما لیتے تھے اور پھر کثرت سے اس کی تلاوت بھی فرماتے رہتے تھے۔ اس طریق سے تھوڑا تھوڑا حفظ کرنے اور بالالتزام اس کی تلاوت کرتے رہنے سے حضورؐ کو تمام تر قرآن احسن ترین صورت میں ازبر یاد ہو گیا تھا۔ اسی طرح آپ کی متابعت میں بہت سے صحابہ بھی ساتھ ہی ساتھ قرآن کے نازل شدہ حصوں کو ازبر یاد کر لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے ماتحت اور آنحضورؐ کی زندگی میں ہی ساتھ ساتھ لکھا جایا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہی اس کے جمع کرنے اور اس کے محفوظ رکھے جانے کو خود اپنی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (15:10) کہ ہم ہی نے اس ذکر یعنی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ پھر اسی طرح فرمایا اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ o (75:18) کہ یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھا جانا ہمارے ذمہ ہے۔ اس سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ قرآن جمع کرنے میں آیات اور سورتوں کی ترتیب بھی امر الٰہی کے تحت عمل میں آئی ہے۔

اسلام سے قبل بھی عرب لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں قدیم شاعری کے لکھے ہوئے قطعات جنہیں سبع مُعَلَّقہ کہا جاتا ہے دیواروں پر لٹکائے ہوتے تھے۔

ابن ہشام نے حضرت عمرؓ کے اسلام پر ایمان لانے کا جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمان اپنے گھروں میں قرآن مجید کے لکھے ہوئے حصے یا سورتیں رکھتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہونے سے پہلے اپنی ہمشیرہ کے گھر ان کی سرکوبی کے لئے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ خباب بن عارت سورۃ طٰہٰ کے لکھے ہوئے اوراق سے تلاوت کر کے ان کی ہمشیرہ اور بہنوئی سعید بن زید کو درس دے رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن شروع ہی سے لکھا جایا کرتا تھا اور لوگ لکھے ہوئے اوراق کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

قرآن مجید کے جمع کرنے اور اس کی حفاظت کے اقدامات:۔

(1) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ایک لکھے پڑھے صحابہ کو قرآن مجید لکھنے کے لئے مقرر فرمایا ہوا تھا۔ جب بھی کوئی وحی الٰہی نازل ہوتی حضورؐ ان کے ذریعہ سے لکھوالیا کرتے تھے۔ قرآن میں قرآن مجید کو الکتاب کہا گیا ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ اسی طرح صُحُفٍ مُکَرَّمَۃٍ بھی آیا ہے۔ اور صحیفہ لکھے ہوئے کو

صُحُفٌ مُکَرَّمَۃٌ بھی آیا ہے۔اور صحیفہ لکھے ہوئے کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فتح الباری جلد 9 ص 19 پر ایسے پندرہ کاتبوں کے نام موجود ملتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔زید بن ثابتؓ۔ 2۔اوبے بن کعبؓ۔3۔ عبداللہ بن سعد بن ابی صرحؓ۔4۔ زبیر بن العوامؓ 5۔خالد بن سعید بن العاصؓ۔6۔ابان بن سعید بن العاصؓ۔7۔حنزلہ بن الربیع الاسدی۔ 8۔مُعَقِّبْ بن ابی فاطمہؓ۔ 9۔عبداللہ بن ارقم الزہریؓ۔10۔شُرحبیل بن حسنہ۔11۔عبداللہ بن رواحہؓ۔ 12۔ابو بکرؓ 13 ۔عمرؓ۔14۔عثمانؓ۔ 15۔علیؓ۔

بخاری ۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ مسند احمد حضرت عثمانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ ان صحابہ میں سے جن کو آپ نے قرآن لکھنے پر مقرر فرمایا ہوا تھا ایک کو بلاتے اور حکم فرماتے کہ اس آیت (یا آیات) کو فلاں سورۃ میں جہاں فلاں آیت ختم ہوتی ہے لکھ دیا جائے۔

(ابو داؤد 2:123)

حدیث میں روایات کے مطابق قریباً 42 مختلف صحابہ کو قرآن لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ان کے علاوہ بھی بہت سے اصحاب اپنے طور پر بھی قرآن مجید کو لکھ کر اپنے پاس رکھتے تھے۔

2۔اہل عرب کے حافظے بلا کے تیز ہوتے تھے۔ وہ ہزاروں اشعار زبانی یاد کر لیا کرتے تھے۔ان کے لئے قرآن مجید کی آیات کو حفظ کر لینا نسبتاً زیادہ آسان تھا۔ ایک تو دینی تقدس کی وجہ سے اور دوسرے آیات کی سہل اور روانی کی وجہ سے۔ چونکہ نمازوں میں قرآن مجید کے مختلف حصّوں کی تلاوت کی جاتی ہے اس وجہ سے بھی صحابہ کی بہت بڑی تعداد قرآن مجید کو پورا یا اس کے بعض حصوں کو حفظ کر لیا کرتی تھی۔ قرآن مجید کا تھوڑا بہت حصہ تو قریباً ہر کسی کو زبانی یاد ہوتا تھا۔ بخاری میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے (6ھ میں) بِئر مَاعونہ کی طرف ایک تبلیغی مہم کے لئے ستر 70 حفاظ قرآن مختلف قبائل کی تعلیم و تربیت کے لئے بھیجے۔مگر وہاں کے کفار نے دھوکہ سے ان سب کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حفظ قرآن کا دستور کس قدر عام تھا۔

3۔آنحضرتؐ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی قاضیوں۔ حاکموں اور والیوں کو چونکہ مسلمانوں کے درمیان ان کی خانگی ۔ دینی۔ سماجی اور سیاسی وغیرہ معاملات طے کرنے کے لئے فیصلہ جات کرنے پڑتے تھے اس واسطے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے ان کو قرآن مجید حفظ کرنا پڑتا تھا تا کہ اس کے اسلامی احکامات سے ان کو پوری پوری واقفیت رہے۔

4۔آنحضرتؐ کے صحابہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت میں کامیابی کے لئے ہر طرح آنحضرتؐ کے ارشادات کی پیروی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو کوئی قرآن کو حفظ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا۔اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے بھی بے شمار صحابہ قرآن مجید کو جیسے جیسے اس کا نزول ہوتا گیا حفظ کر لیا کرتے تھے اور نمازوں میں اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

5۔مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چار 4 بزرگ صحابہ کو جو قرآن کو بالالتزام حضورؐ کی نگرانی میں حفظ کر لیا کرتے تھے دوسرے لوگوں کو حفظ قرآن کرانے کے لئے بطور اتالیق خاص مقرر فرما رکھا تھا۔ جو لوگ ان اتالیق کی نگرانی میں قرآن حفظ کر لیا کرتے تھے وہ پھر آگے دوسرے لوگوں کے استاد بن کر ان کو قرآن حفظ کراتے۔ان خاص چار صحابہ کے یہ نام ہیں:۔

1۔عبداللہ بن مسعودؓ 2۔سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ 3۔معاذ بن جبلؓ 4۔اوبے ابن کعبؓ۔

پہلے دو اصحاب مہاجرین مکہ میں سے تھے اور آخری دو انصار یعنی مدینہ کے رہنے والے تھے۔

ان کے علاوہ دیگر بہت سے صحابہ نے خود آنحضرتؐ سے قرآن کے مختلف حصے سن کر حفظ کئے ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت عمرؓ۔ وہ صحابہ جنہوں نے پورا قرآن اچھی طرح حفظ کر رکھا تھا ان میں سے مندرجہ ذیل مشہور ہیں:۔

1۔حضرت زید بن ثابتؓ۔ یہ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ آنحضرتؐ کے کاتب وحی بھی تھے۔

2۔حضرت ابو زید قیس بن السکن جو آنحضرتؐ کے ننھال کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے۔

(فتح الباری جلد 9 ص 49)

3۔ابوالدرداؓ انصاری (بخاری)۔

4۔حضرت ابو بکر صدیقؓ جو آغاز وحی قرآن ہی سے قرآن مجید کو حفظ کرتے رہے۔

5۔حضرت علی بن ابی طالبؓ قرآن کے ماہر حافظ تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے معاً بعد انہوں نے قرآن کو نزول وحی کی ترتیب سے لکھنا شروع کیا تھا۔ (ترتیب نزول وحی کے حساب سے تالیف شدہ قرآن کا ایک مزعومہ نسخہ مولوی عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لنڈن کے پاس موجود ہے)

6۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ان کے متعلق نسائی کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ آپ سارا قرآن ایک رات میں زبانی تلاوت فرما لیا کرتے تھے اور جب آنحضرتؐ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے

رات میں مکمل کرنے کی بجائے ایک ماہ کی مدت میں پورا کیا کریں کہ ان پر بوجھ نہ پڑے۔

7۔ حضرت ابوعبیدؓ کی روایت ہے کہ مہاجرین میں سے مندرجہ ذیل صحابہ کو مکمل قران حفظ تھا حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت سعدؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۔ حضرت حذیفہؓ۔ حضرت سالمؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت عبداللہ بن صائبؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔

نیز صحابیات میں سے حضرت عائشہؓ۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمیٰؓ (ازواج النبیؐ) بھی قرآن کی حافظات تھیں۔

اکثر صحابہ نے تو آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی قرآن کو حفظ کرلیا ہوا تھا اور دیگر نے آنحضرتؐ کی زندگی کے بعد۔

ابن ابی داؤد نے اپنی کتاب الشریعہ میں لکھا ہے کہ تمیم بن اوس الداریؓ اور عقبیٰ بن عامرؓ (جو مہاجرین میں سے تھے) نے بھی قرآن حفظ کر رکھا تھا۔ دیگر مؤرخین نے حضرت امر بن العاصؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھی حفاظ قرآن میں شامل کیا ہے۔

انصار میں سے مشہور حفاظ قرآن یہ تھے: عُبادہ بن صامتؓ۔ مُعاذؓ۔ مجمع بن حارثہؓ۔ فضالہ بن عبیدؓ ۔ مَسلَمہ بن مُخَلّدؓ۔ ابودرداؓ۔ ابوزیدؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ اُبی بن کعبؓ۔ سعد بن عبادہؓ۔ اور امِ وَرَقہؓ۔

قرآن کی آیات اور سورتوں کی ترتیب

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے آیات کی ترتیب آنحضرتؐ نے خود فرمائی تھی۔ اس بات کا مزید ثبوت آنحضرتؐ کے اس قول سے ظاہر ہے جو بخاری میں درج ہے (64:12) حضورؐ نے فرمایا جو کوئی رات کو سوتے وقت سورہ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھے گا تو وہ اس کی کفایت کریں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے آیات کو ترتیب دیا ہوا تھا ورنہ اگر ترتیب نہ ہوتی تو پھر بقرہ کی آخری آیات کی تعیین کیسے ہوسکتی تھی۔ چنانچہ وہی دو آیات جو آنحضرتؐ نے سورۃ البقرہ کی آخری آیات قرار دی تھیں سورۃ بقرہ کے آخر میں درج ہیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے سورہ کہف کی پہلی دس آیات اور اس کی آخری دس آیات دجال کے اثر سے محفوظ رہنے کے لئے تلاوت کرنے کی ہدایت فرمائی (ابی داؤد 36:13) اگر آنحضرتؐ نے آیات کی ترتیب نہ کی ہوتی تو پہلی دس اور آخری دس آیتوں کی تعیین کیسے کی جاسکتی تھی۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آنحضرتؐ نماز تہجد میں سورہ ال عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت بھی فرماتے تھے۔ (بخاری 19-iii:65) اور یہی ترتیب ان کی آج تک قران میں موجود ہے۔

سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرتؐ نے خود ہی امر الٰہی سے فرمائی تھی۔ حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ میں بنی ثقیف کے اسلام لانے پر ان کے ہاں مقیم تھا کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کا جو حصہ غیر متوقع طور پر میرے ذمہ آیا ہے وہ مکمل کرنے سے پہلے میں باہر نہیں جاسکتا۔ اس پر ہم نے صحابہ سے پوچھا کہ قرآن کے حصوں کی تقسیم کس طریق سے کی گئی ہے تو انہوں نے بتایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ پہلی 3 سورتیں۔ پھر اس سے اگلی 5۔ پھر اس کے بعد کی 7۔ پھر ان کے بعد کی 9 اور ان کے بعد کی 11 اور پھر اگلی 13 سورتیں اور آخری حصہ میں تمام وہ سورتیں جو سورۃ قٓ سے شروع ہوکر قرآن کے آخر تک ہیں اور جنہیں مُفَصَّل کہا جاتا ہے۔

(فتح الباری جلد 9 ص 39)

اس سے ظاہر ہے کہ آیات کی طرح سورتوں کی ترتیب اور منازل قرآن کی ترتیب بھی خود آنحضرتؐ نے فرمائی تھی۔ یہ 9ھ کا واقعہ ہے جبکہ سب سے آخری نازل ہونے والی سورۃ توبہ نازل ہو چکی تھی۔ ہاں اس واقعہ کے بعد نازل ہونے والی سُورۃ نصر کو آخری منزل میں رکھ دیا گیا۔

آنحضرتؐ کے وقت سے ہی سینکڑوں صحابہ کا قرآن مجید کو حفظ کرنا۔ اس کا نمازوں میں پڑھا جانا اور دیگر مواقع پر بھی کثرت سے پڑھا جانا ممکن ہی نہیں ہوسکتا تھا جب تک اس کی آیات اور سورتوں کو ترتیب نہ دے دیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ نے چار ماہر اتالیق قرآن مقرر فرما رکھے تھے جو دوسروں کو قرآن سکھاتے تھے۔ آپؐ کبھی کبھی دیگر اساتذہ جو اپنے طور پر لوگوں کو قرآن مجید سکھاتے تھے کی کارکردگی کے معائنہ کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے تاکہ تلاوت کرنے میں کسی قسم کی غلطی کے داخل ہو جانے کا احتمال نہ رہے۔ چنانچہ حافظ ابو یالا نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آنحضرتؐ کو بتایا کہ ابوموسیٰؓ اپنے گھر میں لوگوں کو قرآن سکھاتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے ابوموسیٰ کے گھر کے ایسے حصہ میں لے جاؤ جہاں سے میں تو ان کو پڑھاتا ہوا سن سکوں مگر ان کو میری موجودگی کا پتہ نہ لگے۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور معائنہ فرمایا۔ آپ نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابوموسیٰ لحن داؤدی کی طرح خوبصورت انداز میں قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ (مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

بخاری میں (66:8) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت چار صحابہ کے پاس مکمل قرآن کے لکھے ہوئے ٹکڑے موجود تھے جو

پاس مکمل قرآن کے لکھے ہوئے ٹکڑے موجود تھے جو انہوں نے اپنے طور پر لکھے تھے یعنی ابودرداءؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ زید بن ثابتؓ اور ابوسعیدؓ۔ ایک روایت میں ابودرداءؓ کی بجائے ابی بن کعبؓ کا نام آیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے شروع میں مسیلمہ کذاب نے مدینہ کے خلاف ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ حملہ کی ٹھان لی۔ اس کے مقابلہ کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے 13 ہزار کا اسلامی لشکر حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا۔ مقابلہ سخت تھا اور مسیلمہ کی فوج مسلمانوں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ تب صحابہ میں سے بعض نے تجویز پیش کی کہ اسلامی فوج میں سے حفاظ قرآن پر مشتمل ایک خاص دستہ علیحدہ طور پر تیار کیا جائے جو مسیلمہ کی فوج کا مقابلہ کرکے اس کو شکست دے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس تجویز کو پسند کرتے ہوئے منظور کرلیا اور حفاظ قرآن کی ایک خاص فوج تیار کرکے مسیلمہ کی فوج پر حملہ کیا اور دشمن کو شکست دے دی۔ ان حفاظ کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں سے پانچ سو 500 حفاظ شہید ہوئے۔

مندرجہ بالا بیانات سے عیاں ہے کہ آنحضرتؐ کی مبارک زندگی میں ہی قرآن مجید لکھا جاتا رہا تھا اور ہزار ہا لوگوں نے اسے زبانی حفظ کر رکھا تھا اور باقاعدگی سے اس کی تلاوت بھی کیا کرتے تھے مگر ابھی قرآن مجید کے لکھے ہوئے تمام مختلف حصوں کو ایک ہی جلد میں اکٹھا نہیں کیا گیا تھا۔

قرآن کا ایک جلد میں جمع کیا جانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی چھ مہینے گزرے تھے جب مسیلمہ کے ساتھ جنگ میں پانچ سو 500 حفاظ کی شہادت کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو فکر دامن گیر ہوا کہ اگر جنگوں میں اسی طرح حفاظ کی زندگیوں سے ہاتھ دھونا پڑا تو آگے جا کر قرآن کی حفاظت مشکل ہو سکتی ہے۔ آپ نے خلیفہ وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ذکر کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ وقت آ گیا ہے کہ لکھا ہوا مکمل قرآن ایک جلد میں اکٹھا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور حضرت زید بن ثابتؓ کو جنہیں آنحضرتؐ نے علاوہ دیگر صحابہ کے اپنی زندگی میں وحی قرآن کی کتابت کا کام دیا ہوا تھا اس کام پر مقرر فرمایا کہ وہ قرآن کے تمام لکھے ہوئے حصوں کو اکٹھا کرکے ایک جلد میں لکھے جانے کا انتظام کریں (بخاری 65:1x20) آپ نے ان کی مدد کے لئے بعض دوسرے موزوں صحابہ کو بھی مقرر فرمایا حضرت ابوبکرؓ نے ہدایت فرمائی کہ پورے قرآن کے تمام ایسے مختلف لکھے ہوئے حصوں کو جو آنحضرتؐ کی زندگی اور آپؐ کی زیر ہدایت لکھے گئے تھے لوگوں سے اکٹھا کیا جائے اور پھر ہر لکھے ہوئے حصہ کی صحت کی تصدیق کے لئے کم از کم دو 2 حفاظ قرآن بھی گواہی دیں تب اس حصہ کو اس جلد میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (فتح الباری جلد 9 ص 10) اس وقت صدہا بلکہ ہزار ہا صحابہ جنہیں مکمل قرآن حفظ تھا زندہ موجود تھے۔ یہ صحابہ قرآن کو دن رات اپنی نمازوں اور رمضان کی عبادت میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت زید نے جب تک لکھا ہوا حصہ نہیں دیکھا اسے محض حفظ سے نقل نہیں کیا۔ سورۃ براءت (سورۃ التوبۃ) کے آخری رکوع کی بہت تلاش کی گئی تو وہ ابو خزیمہ سے لکھا ہوا مل گیا (بخاری 66:3) آیات اور سورتوں کی ترتیب تو آنحضرتؐ اپنی ہدایات کے مطابق خود اپنی زندگی میں فرما چکے تھے۔

اس جمع کردہ قرآن کی جلد کے بارے میں تمام صحابہ اور حفاظ میں سے کسی نے بھی آیتوں اور سورتوں کی ترتیب یا کمی بیشی کے متعلق نہ کسی غلطی کا خدشہ ظاہر کیا اور نہ اختلاف۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے پورے قرآن کے تمام لکھے ہوئے مختلف ٹکڑوں کو اکٹھا کرکے ایک جلد میں جمع کر دیا۔ یہ قرآن قریش کی زبان کے تلفظ میں جس میں یہ نازل ہوا تھا لکھا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ان کے جمع کردہ قرآن کی یہ جلد حضرت عمر کے پاس رہی۔ پھر حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے قبضہ میں آئی اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخر تک بعینہٖ محفوظ تھی۔

اس قرآن کے حروف پر اعراب (زیر۔ زبر۔ پیش وغیرہ) نہیں لگائے گئے تھے جیسا کہ آج کل بھی عربی کتابوں رسائل اور اخباروں خط و کتابت اور تحریروں میں اعراب نہیں لگائے جاتے۔ الفاظ کو دیکھ کر اہل لغت خود ہی اس کے تلفظ کو جان لیتے ہیں۔ یہی حال اردو اور فارسی کی تحریروں کا بھی ہے۔ بہت عرصہ بعد حجاج بن یوسف نے غیر عرب مسلمانوں کی سہولت کے لئے قرآن کے حروف پر اعراب لگوائے بخاری (66:3) کی حدیث میں حضرت انسؓ سے ایک روایت درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت حزیفہ جو شام اور عراق کے لوگوں کے ساتھ مل کر آرمینیا اور آذربائیجان کی مہمات سر کرنے کے لئے وہاں لڑ رہے تھے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین وہاں کے لوگ قرآن مجید کو مختلف طریق تلفظ سے پڑھنے لگ گئے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو روکنا چاہئے قبل اس کے وہ یہود و نصاریٰ کی مانند اپنے مقدس صحیفہ کے بارے میں اختلافات میں پڑ جائیں۔ اگرچہ مکہ اور مدینہ اور اس کے ارد گرد علاقوں میں یہ شکایت موجود نہ تھی تاہم حضرت عثمانؓ نے اس خدشہ کی حقیقت کو محسوس کیا کہ

اگر اس بات کا مناسب طور پر سدباب نہ کیا گیا تو مستقبل میں یہ بات کہیں زیادہ سنگین نتائج نہ برپا کرے۔

یاد رہے کہ اختلاف تلفظ حروف کا تھا۔ الفاظ کی تبدیلی نہ تھی جیسے تعْلَمُون کو بنی اسد والے تِعْلَمُون پڑھتے تھے۔ (فتح الباری جلد 9 ص 25)

اسی طرح حذیل اور ثقیف کے قبائل حتّٰی کو اَتّٰی ہی پڑھتے تھے۔ اگر چہ حضرت ابن مسعودؓ کا تعلق ان ہر دو قبائل سے نہ تھا لیکن وہ بھی حتّٰی کو اَتّٰی پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر کو جب بتایا گیا کہ ابن مسعود حتّٰی کو اَتّٰی کہہ کر پڑھتے ہیں تو آپ نے ابن مسعودؓ کو لکھا کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے وہ اسے قبیلہ حذیل کے تلفظ میں نہ پڑھیں نہ ہی دوسروں کو ایسا پڑھائیں۔ (فتح الباری جلد 9 ص 24)

حضرت عثمانؓ نے قرآن کی نقول لکھ کر تیار کرنے والی کمیٹی کے ان ارکان سے جن کا تعلق قریش سے تھا فرمایا کہ اگر حضرت زید بن ثابتؓ (جو قریشی نہ تھے) سے کسی لفظ میں تلفظ کا اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان کے تلفظ میں لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید قریش کی زبان (تلفظ) میں نازل ہوا ہے (بخاری 61:3)۔ سو انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس کی مثال میں ایک لفظ کے متعلق نشان دہی کا ثبوت ملتا ہے کہ لفظ "تَـابُوت" کو حضرت زیدؓ تَـابُوح پڑھتے تھے جبکہ قریش تَـابُوت پڑھتے۔ چنانچہ اس اختلاف تلفظ کو حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تَـابُوت لکھا جائے۔ کیونکہ قرآن قریش کی زبان کے تلفظ میں نازل ہوا ہے۔ (فتح الباری جلد 9 ص 17)

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف کسی لفظ کا نہ ہوتا تھا بلکہ ایک لفظ کے ادا کرنے میں تلفظ کا تھا۔ سو یہ کوئی حقیقی اختلاف نہ ہوا کہ جس سے کسی لفظ کے معنی بدل جاتے ہوں۔ اسی طرح تَعْلَمُون کو بنی اسد والے تِـعْلَمُون پڑھتے تھے۔ اور بنی تمیم والے "اسِن" کو (47:16) یَـاسِنْ کر کے پڑھتے تھے۔ (فتح الباری جلد 9 ص 15)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قرآن مجید کو قریش کے تلفظ میں تلاوت فرمایا ہے اور اسی تلفظ میں لکھوایا بھی کرتے تھے۔ ہاں جب بہت سے غیر قریش قبائل اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی زبانوں پر بعض حروف نہ چڑھتے تھے انہیں (عارضی طور پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اپنے اپنے قبیلہ کی زبان کے تلفظ میں پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی کیونکہ اس سے قرآن مجید کے الفاظ کے معنی نہیں بدلتے تھے۔ اسی واسطے نہ خلفاء راشدین کے عہد میں نہ ہی اس کے بعد کسی نے حضرت عثمانؓ یا حضرت ابو بکرؓ کے جمع کردہ قرآن پر کوئی اعتراض کیا اور نہ اس کے مقابل پر کوئی دوسرے الفاظ کے ساتھ قرآن مرتب ہوا۔ یہی قرآن بغیر کسی تغیر و تبدل کے آج تک محفوظ ہے۔

چنانچہ 30ھ (651ء) میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زیر انتظام جمع کردہ قرآن کی جلد جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھی منگوائی اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے ہی کوفی رسم الخط میں اس کی ایک نقل لکھوا کر تیار کروائی۔

حضرت زیدؓ کے ساتھ جن دوسرے صحابہ نے مزید نقلیں لکھیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: عبداللہ بن زبیرؓ۔ سعید بن العاصؓ۔ عبدالرحمٰن بن حارثؓ بن ہشام۔ حضرت زید بن ثابتؓ کے ہاتھ سے تیار شدہ قرآن کی نقل حضرت عثمانؓ کے پاس رہی اور دیگر نقول مملکت اسلامیہ کے چاروں جانب بھجوا دیں (دمشق۔ کرفرا اور بصرہ شام، وغیرہ) تا کہ ان کے مطابق قرآن کو آئندہ پڑھا اور لکھا جایا کرے۔ قرآن مجید کی چند نقول تیار کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جمع کردہ قرآن مجید کی جلد حضرت حفصہ کو واپس بھجوا دی گئی۔ ان مصدقہ نقول کے علاوہ قرآن مجید کے دیگر تمام نسخے جو لوگوں کے پاس تھے جلا کر تلف کر دئے گئے۔ (فتح الباری جلد 9 ص 18) و (بخاری 66:3)

شروع میں قرآن کی مصدقہ نقول کی تیاری کے لئے چار صحابہ مقرر ہوئے مگر جلد ہی زیادہ نقول کی تیاری کی خاطر ابن ابی داؤد کی روایت کے مطابق اس بارے میں حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کے بعد اور ان کی مدد سے بارہ 12 آدمیوں کی ایک کمیٹی تشکیل کی جن میں زیدؓ۔ سعیدؓ۔ اُبیؓ۔ انس بن مالکؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر اصحاب شامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس میں اس لئے شامل نہ تھے کہ وہ اس وقت مدینہ سے بہت دور کوفہ میں مقیم تھے۔

قرآن مجید کی یہ نقول بعینہٖ وہی تھیں جو حضرت ابو بکرؓ کی ہدایت پر جمع کردہ قرآن تھا۔ اور یہی نقول بلا کسی تغیر کے آج تک چلی آ رہی ہیں۔ یہ سب کام حضرت علیؓ سمیت تمام صحابہ کرام کے اجماع سے عمل میں آیا۔

حضرت عثمانؓ کے قرآن کی نقول کا اس قدر رواج ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی وفات کے چند سال بعد جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین خلافت کے جھگڑے کے بارے میں طرفین کی فوجیں آمنے سامنے تھیں تو معاویہؓ کے سپاہیوں نے اپنے نیزوں کی انیوں پر قرآن مجید کے نسخوں کو باندھ کر بلند کر رکھا تھا اور مطالبہ کیا کہ اس مسئلہ کا حل جنگ کی بجائے قرآن کے مطابق تلاش کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی قریباً ہر مسلمان کے پاس قرآن مجید کا نسخہ موجود ہوتا تھا۔

مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ (1304 تا 1377ء) نے لکھا ہے کہ جب وہ شام و عراق کی سیاحت پر تھا تو اس نے حضرت عثمانؓ کے تیار کردہ قرآن کی دو نقول ایک دمشق میں اور دوسری جس پر خون کے دھبے تھے بصرہ (شام) میں مسجد علی میں دیکھی تھیں۔ دمشق والی جلد تو اس کے بعد نذر آتش ہوگئی مگر بصرہ والی جلد تیمور لنگ اپنے ساتھ سمرقند میں لے آیا جہاں یہ چار 400 سو سال تک پڑی رہی۔ پھر جب وسط ایشیا کے ممالک روس میں مدغم کردئے گئے تو زار روس کے حکام نے یہ جلد ایک سو روبلز میں خوجہ اخرادہ مسجد کے امام سے خرید کر سینٹ پٹرز برگ کی سرکاری لائبریری میں رکھوادی۔ مگر اکتوبر 1917ء کے روسی انقلاب کے بعد لینن کی ذاتی ہدایت پر یہ نادر قلمی قرآن کی جلد مسلمانوں کو واپس کردی گئی۔ دسمبر 1917ء سے جولائی 1923ء تک قرآن مجید کی یہ جلد اوفا (UFA) میں رکھی رہی۔ اس کے بعد ترکستان کی کمیٹی برائے عجائب گھر و حفاظت دستاویزات پارینہ کی سفارش پر روسی حکومت نے فیصلہ کیا کہ قرآن کی یہ جلد جمہوریہ ترکستان کو دے دی جائے۔ تب سے حضرت عثمانؓ کے اس نسخہ قرآن کو تاشقند میں اہل ازبکستان کی تاریخ اور پارینہ دستاویزات کے عجائب گھر میں ایک خاص الخاص حیثیت حاصل ہے۔ جس حفاظتی پیٹی میں قرآن کا یہ نسخہ رکھا ہوا ہے اسے شاذ و نادر کے طور پر کھولا جاتا ہے اور خاص حفاظتی طریقے اسے بوسیدہ ہونے سے بچانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ 1966ء میں اس صندوق کو اس وقت کھولا گیا تھا جب چند مشہور غیر ملکی شخصیات (جن کا تعلق عرب ممالک اور پاکستان وغیرہ سے تھا اور جن میں مشہور شاعر حفیظ جالندھری بھی شامل تھے) تاشقند گئی تھیں اور انہوں نے قرآن کے اس نسخہ کی زیارت کی درخواست دی تھی (روسی سرکاری اخبار سے ماخوذ)

قرآن کریم کے حصوں کی تقسیم

قرآن کریم میں کل 114 سورتیں ہیں جن میں سے 92 مکی اور باقی 22 مدنی کہلاتی ہیں۔ سورۃ نمبر 110 اگرچہ مدنی زندگی میں نازل ہوئی مگر یہ مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرتؐ حجۃ الوداع میں وہاں مقیم تھے اس لئے مکی سورۃ شمار کی گئی ہے۔

مدنی سورتیں اگرچہ مکی سورتوں کی نسبت کافی لمبی ہیں مگر یہ کل قرآن کا صرف تیسرا حصہ بنتی ہیں۔ قرآن مجید میں مکی اور مدنی سورتیں ملی جلی ترتیب میں رکھی گئی ہیں۔

قرآن میں سب سے پہلی سورۃ فاتحہ مکی ہے۔ اس کے بعد 4 مدنی سورتیں رکھی گئی ہیں۔ ان پانچ سورتوں کی ضخامت پورے قرآن مجید کے قریباً پانچویں حصہ سے کچھ زیادہ بنتی ہے۔ اس کے بعد دو مکی اور پھر دو مدنی سورتیں آتی ہیں۔ قرآن کے باقی حصہ میں مکی اور مدنی سورتیں ملی جلی ہیں۔

سورتوں کے زمانہ نزول کے بارے میں قطعی طور پر سال یا تاریخ مقرر نہیں کی جاسکتی تاہم نزول کی مدت کی تقسیم کی گئی ہے۔

سب سورتوں کی لمبائی یکساں نہیں ہے۔ بعض بہت زیادہ لمبی ہیں جیسے سورہ البقرہ جس کی 287 آیات ہیں اور یہ پورے قرآن کی ضخامت کا قریباً بارھواں حصہ بنتا ہے۔ بعض نسبتاً کافی چھوٹی ہیں۔ اور سب سے چھوٹی سورت الکوثر کی تو صرف چار آیات ہیں۔

لمبی سورتوں کی آیات کی مناسب حد بندی کی گئی ہے یعنی مناسب حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر حصہ کو رکوع کا نام دیا گیا ہے جو بہت سی آیات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی سورت اور آخری 35 سورتوں میں سے ہر ایک صرف ایک رکوع پر مشتمل ہے۔ رکوعات میں عموماً ہر رکوع میں شامل آیات کسی ایک عنوان کی حد بندی کرتی ہیں۔ آیات کی طرح رکوعات کا بھی شمار درج کیا جاتا ہے۔ سارے قرآن میں آیات کی کل تعداد 6247 ہے (بسم اللہ سمیت 6360 بنتی ہے)

مہینہ بھر میں ایک بار قرآن کی قرأت پورا کرنے کی خاطر پورے قرآن مجید کو تیس برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصہ کو جزء یا پارہ کہا جاتا ہے۔ ہر جزء یا پارہ کو پھر آگے چار برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی الربع۔ النصف۔ الثلث۔ اور آخر (چوتھائی حصہ۔ آدھا۔ تین چوتھائی حصہ اور پورا اجزء یا پارہ)

قرآن مجید کی ایک اور تقسیم بھی کی گئی ہے جسے آنحضرتؐ کی اجازت سے کیا گیا ہے۔ اس میں قرآن مجید کو سات برابر حصوں میں منقسم کیا گیا ہے تاکہ پورے قرآن کی ایک ہفتہ میں قرأت پورا کرنے کی سہولت رہے۔ اس طرح ہر حصہ کا نام منزل رکھا گیا ہے۔

(فتح الباری جلد 9 ص 39 و ص 83)

اس بارے میں حضرت انسؓ کی روایت کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ یاد رہے کہ تمام تقسیموں کا وحی الٰہی کے نزول سے کوئی تعلق نہیں۔ منازل قرآن کی تقسیم کی تفصیل یوں ہے:۔

پہلی منزل میں سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد کی 3 سورتیں شامل ہیں۔

دوسری منزل میں ان سے اگلی 5 سورتیں

تیسری منزل میں ان سے اگلی 7 سورتیں

چوتھی منزل میں ان سے اگلی 9 سورتیں

پانچویں منزل میں ان سے اگلی 11 سورتیں

چھٹی منزل میں پھر ان سے اگلی 13 سورتیں

(یہاں تک 49 سورتیں پوری ہوتی ہیں)

پھر ساتویں منزل میں باقی قرآن کا حصہ جو نمبر 50 سورہ ق سے شروع ہو کر سورۃ الناس کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔

اس آخری منزل کو مفصل کہا جاتا ہے۔ان سات منازل کی تقسیم کے وقت 9ھ میں قریباً سارا قرآن نازل ہو چکا تھا۔

سب سے آخری نازل ہونے والی سورۃ نصر جو بعد میں نازل ہوئی اسے آخری منزل میں رکھ دیا گیا۔ اس سے پہلی چھ منازل کی سورتوں کی تعداد میں کوئی فرق نہیں پڑا۔آخری منزل کی سورتوں کی تعداد مقرر نہ تھی کہ اس سے کوئی فرق پڑتا۔ نیز جو وحی بعد میں نازل ہوئی اسے آنخضرتؐ نے امرالٰہی سے مناسب سورتوں میں ان کے مقام پر شامل کر دیا۔

ان منازل قرآن کی ترتیب زبانی یاد رکھنے کے لئے ایک آسان طریق یہ ہے کہ آپ لفظ ''فمی، بشوق'' کو یاد کر لیں۔اس لفظ میں ہر حرف اپنی منزل کی پہلی سورۃ کے نام کو ظاہر کرتا ہے۔یعنی

ف=فاتحہ، م=مائدہ، ی=یونس

ب=بنی اسرائیل، ش=شعراء،

و=وَالصّٰفّٰت، ق=سورہ ق

قرآن مجید کے حاشیہ پر ہر رکوع کے پورا ہونے پر حرف ع لکھا ہوا نظر آتا ہے۔اس ع کے اوپر نیچے اور درمیان میں ہندسے لکھے ہوتے ہیں جن کی تشریح یوں ہے:- $ع^{15}_{21}9$ اس ع کے اوپر کا ہندسہ اس سورۃ کا رکوع نمبر بتاتا ہے یعنی یہاں فلاں رکوع نمبر پورا ہوا۔جبکہ سب سے نچلا ہندسہ اس جزء یا پارہ کا رکوع نمبر ہے۔ درمیان میں درج ہندسہ اس رکوع میں شامل آیات کی تعداد ظاہر کرتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قرآن مجید کی سب سے پہلی وحی سورہ نمبر 96 اِقْـرَاْ کی پہلی پانچ آیات پر مشتمل ہے۔اس کے بعد چھ ماہ تک وحی میں وقفہ رہا۔ پھر دوسری وحی پر مشتمل سورۃ نمبر 74 المدثر کی ابتدائی آیات ہیں۔اس کے بعد غالب قیاس ہے کہ سورہ فاتحہ نازل ہوئی پھر سورہ نمبر 73 مزمل کا ابتدائی حصہ نازل ہوا۔ پھر اس کے بعد نزول قرآن کی ترتیب کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سب سے آخری آیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اکثر کے نزدیک اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْـنَـكُـمْ وَ اتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (5:4) ہے جبکہ بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت سے بیان ہے کہ آخری آیت جو آنحضورؐ پر اتری یہ ہے: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ o (2:282) قرآن مجید کی سب سے لمبی آیت سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 283 ہے۔قرآن مجید میں صرف ایک رکوع ایسا ہے جو کہ صرف ایک آیت پر مشتمل ہے اور وہ سورۃ المزمل کا دوسرا رکوع ہے۔ قرآن مجید کی سب سے چھوٹی آیات صرف ایک ایک لفظ پر مبنی ہیں جیسے:۔

يٰسٓ o (36/2) حٰمٓ o (44/2- 46/2)

(40/2- 41/2- 42/2) o الٓمٓ (2/2- 3/2)

الرَّحْمٰنُ o (55/2) مُدْهَآمَّتٰنِ (55/65)

o اَلْحَاقَّةُ o (69/2)۔

استفادہ از:۔ 1۔ دیباچہ تفسیر القرآن انگریزی مصنفہ حضرت المصلح الموعودؓ

2۔ سوویٹ پریس اون کیوریس نیوز لیٹر

Sovite Press on Curiais- News Lettler (1984)

3۔

A Book of Religious Knowledge by Waheed Ahmad

☆☆☆☆☆

لکھنے والوں سے۔۔۔

ادارہ احمدیہ گزٹ والنور اُن تمام لکھنے والوں کا شکر گزار ہے جو اپنے مضامین اشاعت کے لیے بھجواتے رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔آمین۔

آئندہ سال (2004) کے شمارہ جات کیلئے ہم آپ کو درج ذیل موضوعات پر لکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

الصلوٰۃ (نماز) نمبر	جنوری
حضرت مصلح موعودؓ	فروری
ذکر حبیبؑ	مارچ
سیدنا طاہرؒ نمبر	اپریل-مئی
امریکہ میں احمدیت	جون
جماعت کے تربیتی امور	جولائی
جماعت احمدیہ اور دُعاؤں پر یقین	اگست
سیرت النبی ﷺ	ستمبر
وقف جدید کا نظام	اکتوبر
اسماء الحسنٰی	نومبر-دسمبر

خیال رہے کہ آپ کے مضامین کا تاریخ اشاعت سے کم از کم 90 روز قبل دفتر احمدیہ گزٹ میں پہنچنا ضروری ہے۔برائے مہربانی مضامین درج ذیل پتہ پر روانہ کریں:

Editors, Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
Email:
GazetteUSA@yahoo.com

تلاوت قرآن کریم
بعض عام غلطیوں کی اصلاح

(محترم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے)

قرآن کریم خداتعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کی تلاوت کرتے وقت بعض امور کو مدنظر رکھنا نہایت درجہ ضروری ہے۔

تلاوت قرآن کریم کے وقت عربی زبان کے قواعد وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری صحت الفاظ کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے۔ اپنی اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اسے قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا فرمایا ہے جس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کی تلاوت میں عربی زبان کے قواعد کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

تلاوت قرآن کریم میں حروف کی حرکات کی صحت کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ بعض دفعہ صرف پیش (ُ) اور زیر (ِ) کی تبدیلی سے مضمون میں زمین وآسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے اور معنی بالکل غلط اور اُلٹ ہو جاتے ہیں۔

مغنی اللبیب کی ''شرح الشرح'' مطبوعہ مصر کے مطابق ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مدینہ میں لوگوں نے ایک غیر عرب شخص کو سورۃ توبہ (پ10) کی تیسری آیت کریمہ کو ان الفاظ میں پڑھتے ہوئے سنا:-

''......اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلِہٖ ......''

لوگ اس کو پکڑ کر حضرت عمرؓ کے پاس لائے۔ اس پر آپ بہت متفکر اور متوش ہوئے کیونکہ رَسُوْلِہٖ پڑھنے سے آیت کے معانی میں بالکل ہی اُلٹی اور خطرناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کے یہ معنی بن جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بری الذمہ ہوتا ہے مُشرکوں سے اور اپنے رسولؐ سے (بھی) العیاذ باللہ۔ اصل میں وَرَسُوْلُہٗ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے تمام الزامات واعتراضات سے آج بری الذمہ ہونے کا اعلان کرتا ہے اور اس کا رسولؐ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ابوالاسود دؤلی کو بلایا اور فرمایا کہ غیر عربوں کے لئے تلاوت کتاب اللہ میں سہولت اور صحت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ عربی زبان کے قواعد وضوابط کو مرتب کیا جائے اور تم یہ کام کرو لیکن بعض دوسری روایات اس واقعہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ آپ نے ابوالاسود دؤلی کو بلایا اور عربی زبان کے قواعد مرتب کرنے کا ارشاد فرمایا اور خود بھی انہیں چند قواعد بتائے۔

مثلاً یہ کہ بامعنی مفرد لفظ جو انسان کے منہ سے نکلے وہ یا اسم ہوگا یا فعل یا حرف اسم وہ ہے جو کسی چیز کے بارے میں خبر بتائے یا اس پر دلالت کرے۔ اسی طرح فعل اور حرف کی بھی آپ نے تشریح فرمائی۔

اس کے بعد آپ نے ابوالاسود دؤلی کو فرمایا ''اُنْحُ نَحْوَہٗ'' اب اسی کی مانند تم قواعد مرتب کرتے چلے جاؤ۔ ''نَحْو'' کے معنی ''مانند'' کے ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ارشاد میں ''نَحْو'' کا کلمہ استعمال فرمایا۔ چنانچہ اسی بناء پر بعد میں اس علم کا نام علم نَحْو رکھا گیا۔

عام مورخین کا اعتماد حضرت علی کرم اللہ وجہہ والی اس روایت پر ہی ہے۔

پس قرآن مجید کی صحیح تلاوت کے لئے عربی زبان کے کم از کم ابتدائی اصولی قواعد کا علم ہونا ضروری ہے کیونکہ عربی زبان میں حرکات کے اختلاف سے معانی کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔

اوروں کو جانے دیجئے خلافت راشدہ کے بعد خلافت بنوامیہ میں ولید بن عبدالملک ایک مشہور خلیفہ گزرا ہے جو پہلی صدی ہجری کے اواخر میں تمام عالم اسلام کا واحد فرمانروا تھا۔ یہ صاحب بول چال میں بعض اوقات اِعراب کی غلطیاں یعنی کلمات کے آخر کی حرکات کی غلطیاں کر جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک اعرابی ان کے دربار میں فریادرسی کے لئے حاضر ہوا تو ولید نے اسے مخاطب کر کے کہا مَاشَانُکَ ؟ (ترجمہ: کس چیز نے تجھے آسیب پہنچایا ہے یا عیب لگایا ہے) اس پر بدوؔ کہنے لگا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْنِ یعنی میں ہر آسیب یا عیب سے خداتعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی میں نے تو اپنے کسی عیب یا آسیب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس پر خلیفہ کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کہنے لگے کہ اصل میں خلیفہ صاحب کا مطلب ہے مَاشَأْنُکَ؟ تیرا کیا حال ہے؟ یعنی آپ کو کس بات کی شکایت یا تکلیف ہے؟

پس دیکھ لیں کہ اس جملہ میں کس طرح حرکت یعنی زیر، زبر یا پیش کے فرق سے اس کے معنی بدل گئے۔

اس لئے قرآن کریم کی تلاوت صحیح طور پر کرنے کے لئے عربی زبان کے بعض موٹے موٹے اصولی قواعد کا جاننا ضروری ہے۔ خصوصاً نحو کے وہ قواعد جن کا تعلق اعراب یعنی کلمات کے آخری حصہ کی حرکات اور ان کی تبدیلی سے ہے۔ آج کل قراءتِ قرآن کریم کے بارے میں عدم توجہ یا اغلاط کی وجوہات دو ہیں۔

اوّل: آج کل تعلیمِ قرآن کے سلسلہ میں وہ کوشش وفکر باقی نہیں رہے جو ہمارے بزرگوں کے زمانہ میں رائج تھے۔

دوم: ترنّم کی طرف دنیا کا رُجحان اس قدر بڑھتا چلا جارہا ہے کہ پڑھنے والوں اور سننے والوں دونوں کی توجہ کلام الٰہی کے مضمون کی طرف کم ہوتی ہے اور آواز کے زیر و بم کی طرف زیادہ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ بعض تلاوت کرنے والے اپنے ترنم کو خداتعالیٰ کے کلام اور اس کی قراءت کے اصولوں یعنی کلام اللہ کی طیب زبان کے قواعد کے تحت اور ان کے مطابق نہیں رکھتے بلکہ ان امور پر اپنے خود ساختہ ترنم کو مقدم رکھتے ہیں۔

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے عظیم ترمعجزہ کے طور پر پیش کیا ہے جس میں اس کا مضمون اور اس کی زبان دونوں آتے ہیں۔ کلام اللہ کی طیب زبانی عربی کی قراءت کے اصول ہی ایسے ہیں کہ ان کو مدنظر رکھنے سے قراءت میں ایک طبعی قدرتی ترنم خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کلام اللہ کی طیب زبان عربی کے قواعد قراءت کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو وہ تلاوت خواہ کیسی ہی سریلی اور مترنم آواز میں ہو عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے غلط اور غیر صحتمند تلاوت ہوگی کیونکہ یہ کلام عربی زبان میں اتارا گیا ہے۔

علوم ظاہری و باطنی

علوم ظاہری و باطنی دونوں سے مراد علوم دینیہ یعنی علوم قرآن ہی ہیں۔ علوم ظاہری وہ ہیں جو حواس ظاہری کان، آنکھ اور غور وفکر کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں جن کا رخ باہر سے اندر کی طرف ہوتا ہے۔ انسان خارج میں کوئی لیکچر یا تقریر سنتا ہے جس کی وجہ سے بعض نئے علوم اس کے دماغ میں آن بسیرا کرتے ہیں یا خارج میں کسی کتاب کو پڑھ کر اپنے دماغ کو علوم سے پُر کرتا چلا جاتا ہے باطنی علوم سے مراد وہ علوم ہیں جو حواس باطنی میں قلب اور اس کی روحانی استعدادوں اور قوتوں کے ذریعہ سے انسان براہ راست خداتعالیٰ سے حاصل کرتا ہے۔

حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) بلاشبہ حسب کلام خداوندی قرآن کریم سے تعلق رکھنے والے تمام علوم ظاہری و باطنی سے خداتعالیٰ کی طرف سے پُر کئے گئے تھے اور اپنے حسن واحسان میں اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق حضرت سیدنا مسیح موعود و مہدی معہود (اللہ تعالیٰ کی آپ پر سلامتی ہو) کے مثیل تھے۔ ان علوم ظاہری میں وہ علوم تلاوت وقرأت بھی آجاتے ہیں جن کا عربی زبان سے تعلق ہے اور جن کو مدنظر رکھنا تلاوت قرآن کریم کے وقت ازبس ضروری ہے۔ تعلیم الاسلام کالج لاہور میں حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے ہمیشہ راضی رہے) ایک تقریب کے سلسلہ میں تشریف لائے۔ تقریب کی کارروائی حضور کی صدارت میں تلاوت کلام اللہ سے شروع ہوئی جو ہمارے ایک دوست اور رفیق کار نے بڑی سریلی آواز میں نہایت ترنم اور خوش الحانی سے کی مگر حضرت مصلح موعود کا چہرہ متغیر ہو گیا اور حضور نے فرمایا آپ سب کا اس تلاوت کے بارے میں یہی تاثر ہوگا کہ بہت عمدہ اور مترنم اور سریلی آواز میں تلاوت کی گئی ہے۔ مگر جہاں تک عربی زبان کے طبعی اور قدرتی اصولوں اور قواعد وضوابط کا تعلق ہے یہ تلاوت سرتاپا اغلاط سے پُر اور غلط تلاوت تھی۔ اس کے بعد حضور نے عربی زبان کے بعض وہ قواعد وضوابط بیان فرمائے جن کو مدنظر رکھنا تلاوت قرآن کریم کے وقت بہت ضروری ہے۔

حضور کی اس تقریر سے خاکسار کو ایک نیا علم حاصل ہوا جو اس وقت میرے سینے میں حضور پُرنور کی ایک امانت کے طور پر تھا جو ابھی تک معرض تحریر میں نہیں آیا تھا ہاں زبانی تقاریر میں کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں۔ خاکسار کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس امانت کو تحریری طور پر بھی بطریق احسن اپنے دوستوں اور عزیز طلبہ تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ سو اسی بار امانت کو قارئین تک پہنچانے کے لئے نیز تلاوت قرآن کریم کے سلسلہ میں بعض دیگر ضروری امور کو بیان کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید رکھتے ہوئے کہ وہ میری دستگیری کرے گا خاکسار اس وقت اپنے قلم کو جنبش میں لا رہا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق۔

عزیز طلبہ سے خاص طور سے مخاطب ہوتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے خدمت کلام اللہ کے لئے ہی ہماری جماعت کو دنیا میں اپنے ہاتھ سے قائم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا مسیح موعود و مہدی معہود (اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر سلامتی نازل فرماتا رہے) کے قلب صافی پر موسلا دھار بارش کی طرح معارف قرآن نازل فرمائے ہیں اور آپ نے ''علمِ قرآن (اور) علم آں طیّب زباں'' کو اپنے عظیم معجزات کے طور پر دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان معارف کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے ہمارے لئے اور بھی ضروری ہے کہ خود قرآن کریم کی پوری پوری صحت کے ساتھ تلاوت کریں۔ اس لئے عزیز طلبہ اس مضمون کو خاص تعہد سے پڑھیں۔

☆۔ اب اس زیر نظر مضمون میں بعض ان اشد ضروری امور کا تذکرہ مقصود ہے جنہیں تلاوت قرآن کریم کے وقت مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ امور عربی زبان کے قواعد سے متعلق ہیں اور انہیں مدنظر رکھے بغیر خواہ کتنے ہی ترنم سے کیوں نہ تلاوت کی جائے وہ غلط ہوگی اور درجۂ صحت سے گری ہوئی

ہوگی۔

1۔سب سے پہلا امر یہ ہے کہ (زبر) اور ا (الف) میں فرق کرنا بڑا ضروری ہے۔بعض قارئین جہاں صرف زبر ہو اس کو لمبا کر کے الف ''ا'' بنا دیتے ہیں مثلاً اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ کو اَنۡعَمۡتَا عَلَیۡھِمۡ بنا دیتے ہیں۔اس کے برعکس بعض الف کی لمبی آواز کو زبر کی آواز کی طرح چھوٹا کر دیتے ہیں مثلاً صِرَاطَ الَّذِیۡنَ کو صِرَطَ الَّذِیۡنَ کے مشابہ کر دیتے ہیں یعنی الف کی آواز کو لمبا نہیں کرتے یا مثلاً رَزَقۡنٰھُمۡ کو رَزَقۡنَھُمۡ بنا دیتے ہیں۔

2۔اسی طرح بعض دفعہ صرف (پیش) ُ ہوتی ہے اس کو لمبا کھینچا جاتا ہے۔ اَلۡحَمۡدُ کو اَلۡحَمۡدُوۡ کر دیا جاتا ہے۔اسی طرح لِلّٰہِ کی ہِ کو ''ھِی'' کی صورت میں لمبا کر دیا جاتا ہے۔یا اس کے الٹ غلطی کی جاتی ہے زبر (َ) کی لمبی آواز کو الف کہا جاتا ہے، پیش (ُ) کی لمبی آواز کو اُو وراؤ ماقبل مضموم یا وائو ممدُو دہ کہا جاتا ہے۔اسی طرح زیر (ِ) کی لمبی آواز کو اِیۡ (یا ماقبل مکسور یا یائے ممدُودہ کہا جاتا ہے)

نوٹ:-الف کے متعلق خوب یاد رکھنا چاہئے کہ آواز کے لحاظ سے یہ صرف زبر (َ) کی ذرا لمبی آواز ہوتی ہے۔یاد رکھیں کہ الف (ا) پر جو صرف َ کی لمبی آواز ہوتی ہے اگر کوئی حرکت یا علامت سکون ہو مثلاً (اُ) ہو تو وہ (ا) ہرگز نہیں بلکہ ہمزہ ہے۔ہاں ہمزہ کو بعض دفعہ الف کا نام دے دیا جاتا ہے جیسے الٓمّٓ (اَنَا اللّٰہُ اَعۡلَمُ کا مخفف) کو ہم ہمزہ لام میم نہیں کہتے بلکہ الف،لام،میم کہتے ہیں۔

3۔اس کے بعد اب مدّ یعنی آواز کو لمبا کھینچنے کا ذکر کیا جاتا ہے۔اس بارے میں قارئین اکثر غلطیاں کرتے ہیں۔بعض جگہ جہاں مدّہ ہوتا ہے یعنی آواز کافی لمبا کھینچنا مطلوب ہوتا ہے وہ آواز کو لمبا نہیں کرتے اور بعض اوقات اس کے برعکس غلطی کرتے ہیں۔

آج کل بعض قُرّاء بالعموم ایسی غلطیاں اپنی تلاوت میں کرتے ہیں اس لئے ہمارے نوجوان طلبہ کو یہ حصّہ مضمون بہت ہی توجہ سے خاص طور پر ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

عربی زبان میں تین لمبی آوازیں ہیں آ، اُو اور اِی ۔جنہیں بالترتیب الف، واوٗ ماقبل مضموم اور یاء ماقبل مکسور کہا جاتا ہے۔یعنی زبر کی لمبی آواز، واوٗ کی لمبی آواز اور یاء (ی) کی لمبی آواز۔

تین مقامات پر ان لمبی آوازوں کو اَور بھی لمبا یا کافی لمبا کر کے پڑھا جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں اِن تین مقامات مدّ (ٓ) پیدا ہوجاتا ہے۔یہ تین مقامات حسب ذیل ہیں:-

(الف) جہاں بھی آ۔اُو یا اِی کی آواز کے بعد ہمزہ آجائے وہاں مدّ (ٓ) پیدا ہو جائے گا۔

اگر تو ہمزہ اسی کلمہ کے اندر ہو تو بڑا مدّ (ٓ) پیدا ہوتا ہے جسے قرآن کریم میں ذرا موٹا کر کے لکھا جاتا ہے۔جیسے اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنۡ رَّبِّھِمۡ اور لِیَغۡفِرَلِیۡ خَطِیۡٓئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ۔اور اگر ان تینوں آوازوں کے بعد ہمزہ (ء) اگلے کلمہ کے شروع میں آئے تو چھوٹا مدّ (ٓ) ہوتا ہے جسے قرآن کریم میں باریک لکھا جاتا ہے جیسے قُوۡٓا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا یا وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وغیرہ۔پس ہمارے نوجوانوں کو خاص طور پر تلاوت کرتے وقت ذہنی طور پر پہلے ہی یہ ارادہ اور احساس اور شعور رکھنا چاہئے کہ اگر ان تینوں آوازوں آ۔اُو اور اِی کے بعد ہمزہ آئے گا تو انہیں آواز کو لمبا کرنا ہوگا یعنی وہاں مدّ پیدا ہو جائے گا۔ایسے موقعوں پر آواز کو لمبا نہ کرنا بہت بڑی غلطی ہے اور اہل علم کے کانوں پر بہت گراں گزرتی ہے۔ہاں چھوٹی مدّ اختیاری ہے لیکن اسے عموماً لمبا ہی کیا جاتا ہے۔

(ب) دوسرا مقام جہاں اُو۔آ اور اِی کی آوازوں کو لمبا کرنا چاہئے یعنی جہاں مدّ پیدا ہو جاتی ہے یہ ہے کہ جہاں ان آوازوں کے بعد کوئی مشدّد یعنی شدّ (ّ) والا حرف آجائے مثلاً غَیۡرِ مُضَآرٍّ. وَمَاھُمۡ بِضَآرِّیۡنَ. لَمۡ یَطۡمِثۡھُنَّ قَبۡلَھُمۡ اِنۡسٌ وَّلَاجَآنّ (سورۃ رحمٰن)

(ج) یا ان تین آوازوں یعنی (الف، اُو اور اِی) کے بعد ساکن آ جائے جیسے آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡعَصَیۡتَ قَبۡلُ، آٰلۡـٰٔنَ اصل میں أَأَلۡاٰنَ تھا۔ اَلۡ کا ہمزہ ہمزۂ وصل ہوتا ہے۔(یعنی جب عبارت کے درمیان میں آجائے تو گر جاتا ہے) أَأَلۡاٰنَ میں پہلا ہمزہ ہمزۂ استفہام ہے جو قائم رہتا ہے اس کے بعد ہم اَلۡ کے ہمزۂ وصل کو گرا دیں گے تو یہ کلمہ أَلۡاٰنَ ہی بن جاتا ہے اور یہی اس کی ابتدائی شکل تھی۔ اس الجھن کو دور کرنے کے لئے دوسرے ہمزہ کو الف میں تبدیل کر دیا گیا۔الف کی آواز کے بعد حرف ساکن لام ہے جس کی وجہ سے یہاں مد پیدا ہو جائے گی۔ہاں یاد رکھیں صرف الف کے بعد حرف ساکن آنے پر مدّ پیدا ہوتی ہے یا دوسرے لفظوں میں الف بولتا ہے یعنی الف کی آواز پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے بعد حرف ساکن آنے پر مدّ پیدا ہوتی ہے لیکن جہاں الف اپنی آواز نہیں رکھتا یا الف کی آواز پڑھنے میں نہیں آتی یا دوسرے لفظوں میں الف بولتا نہیں وہاں اس کے بعد حرف ساکن آجائے تو مدّ نہیں پیدا ہوگی بلکہ الف سے پہلے والے حرف مفتوح کو بعد کے حرف ساکن سے ملا دیا جائے گا جیسے وَلَاالضَّآلِّیۡنَ میں لَا کا الف نہیں بولے گا اور لَا کے لامِ مفتوح کو ضّ مشدّد سے ملا دیا جائے گا۔اسی طرح اس کی ایک مثال یہ ہے وَمَااللّٰہُ بِغَافِلٍ ،اس مثال میں بھی مَا کا الف عبارت کے درمیان میں

آنے کی صورت میں نہیں بولتا اور مَا کے میمِ مفتوح کو اللہ کے لام مشدّد سے ملا دیا جاتا ہے اور مدّ پیدا نہیں ہوتی۔ اِسی طرح مَا الرَّجُلُ قَائمًا میں پہلے مَا کا الف درجِ کلام میں آنے پر نہیں بولتا۔

مذکورہ بالا قاعدہ (ب) بھی دراصل قاعدہ (ج) کے تحت آتا ہے مثلاً وَلَا الضَّآ لِیْنَ اصل میں وَلَا الضَّالُ لِیْنَ یعنی لامِ مشدّد دراصل دولاموں کی مدغم صورت ہے جن میں سے پہلا لام ساکن اور دوسرا مکسور ہے۔ اِسی طرح باقی شدّ والی امثلہ کی تشریح بھی یہی ہے۔ الف کی آواز کے بعد حرفِ ساکن آنے کی دوسری مثال آللّٰہُ اَمَرَکَ ہے (یعنی کیا اللہ نے آپ کو اِس کا حکم دیا ہے؟) یہاں بھی الف کی آواز کے بعد دو لام ہیں یعنی لامِ مشدد دراصل دو لاموں کا مجموعہ ہے۔ پہلا لام ساکن اور دوسرا مفتوح ہے۔

(د) تیسرا مقام جہاں اُوْ، آ اور اِیْ کی آوازوں کو کافی لمبا کیا جاتا ہے یہ ہے کہ جہاں کسی آیت کے آخر میں یہ آوازیں آئیں اور ہم نے وہاں وقف کرنا ہو یعنی ٹھہرنا ہو اور اُس پہلی آیت کو اگلی آیت سے ملا کر نہ پڑھنا ہو مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ o اگر تو ہم نے ہر آیت پر ٹھہرنا ہو تو اِن کلمات کے خط کشیدہ حصّوں کو یعنی مِیْنَ کو اور حِیْم کو اور اسی طرح دِیْن کو آخری حرف کے سکون کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور اِیْ اور آ اور پھر اِیْ کی آوازوں کو کافی لمبا کریں گے۔ اور جہاں نہ ٹھہرنا ہو وہاں لمبا نہیں کریں گے۔

(ہ) مذکورہ بالا قاعدہ (د) میں بھی دراصل قاعدہ (ج) ہی استعمال ہوا ہے یعنی آ، اُوْ، اِیْ کے بعد اگر حرف ساکن آجائے تو مدّ پیدا ہو جائے گی۔ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیات میں جب ہم آیت کے آخر میں وقف کرتے ہیں یعنی آخری حرفِ متحرّک کو ساکن کر دیتے ہیں تو مدّ اسی قاعدہ (د) کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ مگر چونکہ ان آیات میں یا ایسی ہی دوسری آیات میں وقف کرنا یا نہ کرنا ہمارے اپنے اختیار میں ہے، اس لئے قرآن کریم میں یہاں مدّ لکھی نہیں جاتی۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ:-

1۔ اصلی ساکن کی صورت میں مدّ لازمی ہوگی جب کہ وقف کرنے کی وجہ سے جب سکون پیدا ہو تو مدّ اختیاری ہوگی۔

2۔ چھوٹی مدّ اختیاری ہے جب کہ بڑی مدّ لازمی ہے۔

3۔ چھوٹی اور بڑی مدّ کی شکل مختلف ہے۔ چھوٹی مدّ ٓ۔ بڑی مدّ ہوگی۔

تلاوتِ قرآن کریم کے طریق

سیّدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:-

☆ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تعریف میں فرماتا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْن قرآن بھی انہی لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ ابتداء میں قرآن کے دیکھنے والوں کا تقویٰ یہ ہے کہ جہالت اور حسد اور بخل سے قرآن شریف کو نہ دیکھیں بلکہ نورِ قلب کا تقویٰ ساتھ لے کر صدقِ نیت سے قرآن شریف کو پڑھیں۔ (الحکم 31/اگست 1901ء)

☆ قرآن شریف کو ایک معمولی کتاب سمجھ کر نہ پڑھو بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھ کر پڑھو۔ (الحکم 24 جون 1902ء)

☆ جو علمی ترقی چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھے جہاں سمجھ میں نہ آئے دریافت کرے اگر بعض معارف سمجھ نہ سکے تو دوسروں سے دریافت کر کے فائدہ پہنچائے۔ (الحکم 17/جولائی 1902ء)

☆ خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا بھی عبادت ہے۔ (الحکم 24/مارچ 1903ء)

☆ قرآن شریف تدبّر وفکر اور غور سے پڑھنا چاہئیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے رُبَّ قَارِئٍ یَلْعَنُهُ الْقُرْاٰنُ یعنی بہت سے ایسے قرآن کے قاری ہوتے ہیں جن پر قرآن کریم لعنت بھیجتا ہے۔ تلاوت کرتے وقت جب قرآن کریم کی آیت رحمت پر گذر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ سے رحمت طلب کی جائے اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ کے عذاب سے خدا تعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جائے اور تدبّر اور غور سے پڑھنا چاہئیے اور پھر اس پر عمل کیا جاوے۔ (الحکم 24/مارچ 1907ء)

☆ قرآن تمہارا محتاج نہیں پر تم محتاج ہو کر قرآن کو پڑھو، سمجھو اور سیکھو۔ جب کہ دنیا کے معمولی کاموں کے واسطے تم استاد پکڑتے ہو تو قرآن شریف کے واسطے استاد کی ضرورت کیوں نہیں۔ کیا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی قرآن شریف پڑھنے لگے ہے۔ بہرحال معلم کی ضرورت ہے۔ جب مسجد کا ملاں ہمارا معلم ہو سکتا ہے تو کیا وہ نہیں ہو سکتا جس پر خود قرآن شریف نازل ہوا ہے۔ (الحکم 10/اگست 1907ء)

تحدیث نعمت کے متروکات

(مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب)

ادب میں خودنوشت سوانح عمری کو کسی شخص کے ذاتی احوال و افکار کی سب سے زیادہ مستند دستاویز سمجھا جاتا ہے اس لئے خودنوشت سوانحعمری لکھنے والا اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ اس کے احوال بتام و کمال دوسروں تک پہنچ جائیں تاکہ تاریخ میں اس کے کردار کے بارہ میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔سیاسی مدبرین خاص طور سے اس بات کے بارہ میں حساس رہے ہیں۔ ہمارے مدبرین میں سے کچھ لوگوں نے اپنی سوانح لکھوائیں، کچھ نے لکھیں مگر اس بات کا خیال رکھا کہ ان کے احوال کے بیان میں دوسروں کا قلم شامل نہ ہو۔سر ظفر اللہ خاں نے بھی اپنی خودنوشت لکھی، اردو میں اس کا نام تحدیثِ نعمت رکھا اور چوہدری صاحب کے مزاج کے آدمی کی خودنوشت کا اس سے بہتر عنوان نہیں ہو سکتا تھا۔پھر چوہدری صاحب کی ایک خودنوشت انگریزی میں بھی ہے جس کا عنوان ہے'' سرونٹ آف گاڈ ''۔ بادی النظر میں یہ تحدیثِ نعمت کا انگریزی ترجمہ ہے مگر بہ نظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اردو کی تحدیثِ نعمت میں موجود نہیں اب میں چوہدری صاحب کی ایک اور خودنوشت پر کام کر رہا ہوں جو چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں نے کولمبیا یونیورسٹی کے دو اساتذہ کو خود لکھوائی تھی۔اس کی مائیکروفش کولمبیا یونیورسٹی نے جاری کر دی ہے۔تینوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ واضح ہوا کہ اگرچہ بنیادی حقائق ہر جگہ ایک ہیں یا ایک جیسے ہیں مگر ہر کتاب میں ان کا سیاق و سباق مختلف ہے۔تحدیثِ نعمت کے مرتبین یعنی بزرگوارم چوہدری بشیر احمد مرحوم اور شیخ اعجاز احمد مرحوم، نے معروضات کے عنوان سے لکھا ہے کہ''اشاعت کے لئے چوہدری صاحب نے یہ پابندی عاید کی تھی کہ کتاب صرف ایک جلد تک محدود رہے۔اس ارشاد کی تعمیل میں مسودہ کا معتدبہ حصہ حذف کرنا پڑا۔اس کانٹ چھانٹ کی وجہ سے ممکن ہے چوہدری صاحب کے اسلوب بیان اور اس کی روانی میں کہیں کچھ فرق محسوس ہو اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں''۔ یہ درست ہے کہ تحدیثِ نعمت میں سے بہت سی باتیں محض اس لئے حذف کر دی گئی ہیں کہ کتاب کا حجم نہ بڑھ جائے مگر یہ خیال نہ رکھا گیا کہ حذف شدہ مواد کو بعد کے مؤرخین کے استفادہ کے سنبھال کر محفوظ کر دیا جائے۔کانٹ چھانٹ کے اس عمل کے وقت ان کے پیشِ نظر پاکستان کے حالات تھے کہ کوئی ایسی بات نہ چھپ جائے جو اردو دانوں کی طبع نازک پر گراں گذرے۔(حالانکہ ان کی طبع نازک پر تو اذان کی آواز بھی گراں گذرتی ہے)۔اردو دانوں کا کثیر طبقہ تو پاکستان سے باہر آباد ہے اس لئے یہ کانٹ چھانٹ ان پر گراں گذری ہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ اے کاش مؤلفین نے حذف شدہ مواد محفوظ کر دیا ہوتا! اب تو تحدیثِ نعمت کو مکمل کرنے کا صرف ایک طریق ہے کہ دوسری خودنوشتوں میں جو مواد موجود ہے اسے تحدیثِ نعمت میں شامل کر کے اسے مکمل کر دیا جائے۔کولمبیا یونیورسٹی والی یادداشتیں سیاسی امور سے متعلق ہیں اور تحدیثِ نعمت میں چوہدری صاحب کے سیاسی افکار کو خاص طور سے حذف کر دیا گیا ہے۔بعض ایسی باتیں بھی محذوف ہیں جو ان کی زندگی کے بعض معمولی پہلوؤں کی نشاندہی کرتی ہیں مثلاً تحدیثِ نعمت کا اقتباس ہے کہ'' مجھے آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہو گیا اور یہ تکلیف اتنی بڑھ گئی۔۔۔'' مگر سرونٹ آف گاڈ میں لکھا ہے'' بد قسمتی سے مجھے گیارہ سال کی عمر میں آشوبِ چشم کا عارضہ۔۔۔'' عمر کی تعیین سے نہ صرف اس بات میں زیادہ وثوق پیدا ہو گیا بلکہ بعد کے مورخین کے لئے اسے استناد کا درجہ بھی مل گیا۔مزید لکھا ہے'' جیسا بھی علاج میسر تھا کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔اوپر کی پلکوں کے نیچے بال اگ آتے تھے حتیٰ کہ اوپر کی پلکوں کا ایک حصہ کاٹ دینا پڑتا تھا اور اس انتہائی عمل سے بھی تکلیف میں کمی نہیں آتی تھی۔'' اور یہ عارضہ پانچ سال تک ممتد ہے۔اس کی وجہ سے'' طبیعت خلوت پسند ہو گئی۔اور سوچنے کی خصلت بیدار ہو گئی اور آزادانہ سوچ کی عادت پختہ ہو گئی''۔ یہ باتیں دیکھنے میں معمولی ہیں مگر انسان کی شخصیت کو سمجھنے میں ممد ثابت ہوتی ہیں۔

اسی طرح والدہ محترمہ کے قبولِ حق کا واقعہ بھی انگریزی میں تفصیل سے بیان ہوا ہے تحدیثِ نعمت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے کہ'' والدہ کے بیعت کرنے کے چند دن بعد انہوں نے (والد صاحب) نے بھی بیعت کر لی''۔سرونٹ آف گاڈ میں بیعت کا واقعہ بڑی تفصیل سے تقریباً دو صفحات میں بیان ہوا ہے کہ کس طرح والدہ صاحبہ نے حضرت صاحب کو دیکھا تو دیکھتے ہی ان سے بیعت قبول کرنے کی

درخواست کی اور والد صاحب عدالت سے واپس آئے تو ناراض ہوئے کہ اتنی عجلت کیوں ہوئی ؟ آگے: ''آپ نے نوکر سے کہا میری چارپائی دوسرے کمرے میں ڈال دو۔ والدہ صاحبہ نے کہا دوسرے کمرے میں نہیں مردانے مہمان خانہ میں ڈالو۔ والد صاحب نے پوچھا کیوں؟ والدہ صاحبہ نے جواب دیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے روشنی دیکھنے کی توفیق دے دی ہے اور آپ ابھی تک اندھیرے میں ہیں'' اس پر والد صاحب نے نوکر کو باہر بھیج دیا اور کہا'' بیگم صاحبہ آخر جیت گئیں''۔ ہوسکتا ہے تحدیث نعمت سے یہ باتیں اس لئے حذف ہوئیں کہ ان کا ذکر سلسلہ کے لٹریچر میں کئی جگہ ہوا ہے اور شاید کتاب میری والدہ میں بھی اس کا ذکر ہے مگر مؤلفین نے یہ بات فرض کر لی کہ یہ واقعات ہر شخص کے علم میں ہیں اس لئے ان کو سوانحعمر ی سے حذف کر دینا چاہئے۔ تحدیثِ نعمت صرف احمدیوں کے لئے لکھی گئی کتاب نہیں ہے اس کا مخاطب ہر اردو دان ہے اور میں اپنی تحقیق کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ خودنوشت اردو کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں سے ایک ہے۔

یہ تو محض ایک مثال ہے ۔ آگے چل کر جہاں چوہدری صاحب کی سیر و سیاحت کا ذکر ہے وہاں بھی بہت سی باتیں حذف کر دی گئی ہیں جو میں درج کرتا ہوں۔ تحدیثِ نعمت میں سویڈن کے سفر کا ذکر ہے وہاں سے آپ فنلینڈ گئے تھے۔ اس سفر نے چوہدری صاحب پر جو اثر چھوڑا اس کی ایک جھلک چوہدری صاحب کی اس تقریر میں موجود ہے جو آپ نے لیگ آف نیشنز کے آخری اجلاس منعقدہ 1939 میں کی تھی ۔ اس اجلاس میں چوہدری سر ظفر اللہ خاں ہندوستان میں وزیر تھے اور لیگ آف نیشنز کے اجلاس میں ہندوستانی وفد کے سربراہ تھے ۔ (اس تقریر کا راقم الحروف کا کیا ہوا ترجمہ لاہور ہی میں چھپ چکا ہے)۔

تحدیثِ نعمت سے حذف شدہ حصہ یوں ہے: ''جہاز کے روانہ ہونے سے تھوڑی دیر بعد ایک جاننے والے نے ایک نوجوان خاتون کا تعارف ان سے کروایا۔ یہ خاتون فن لینڈ کی تھی اور فن ، سویڈش ، روسی ، جرمن ، فرانسیسی اور انگریزی اور لاطینی زبانیں جانتی تھی۔ اور ہیلسنگفورس یونیورسٹی میں آثارِ قدیمہ کی طالب علم تھی ۔ اس کا نام آنا لنڈ الینڈ لوف تھا۔ وہ قطبِ شمالی کی سیر کے بعد اپنے وطن واپس جا رہی تھی ۔ وہ ایک ہندوستانی طالب علم سے مل کر بہت حیران ہوئی جو انگلستان میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور جس کا تعارف ایک روسی باشندے نے ایک سویڈش جہاز کے عرشہ پر اس سے کروایا تھا جو فن لینڈ کے شہر ہیلسنگفورس جا رہا تھا اور صرف انگریزی زبان میں گفتگو کر سکتا تھا۔ اگلے روز موسم بہت خوشگوار تھا سب لوگ عرشے پر آ گئے تھے ۔ ان دونوں نے بھی دو کرسیاں عرشے پر بچھا لیں اور ایک دوسرے کے قریب قریب بیٹھ گئے ۔ اس کے بائیں جانب ایک موٹے تازے ، بھورے بالوں والے روسی صاحب دراز تھے ۔ بعد میں معلوم ہوا انکا نام نکولائی وسالیوچ ڈیگلنگ ہے اور وہ سینٹ پیٹرز برگ میں جواہرات کے تاجر ہیں اور سینٹ پیٹرز برگ میں 26 نویسکی پروسپیکٹ میں رہتے ہیں ۔ ان کی ساری توجہ ایک موٹے سے سگار پر مرتکز تھی۔ کبھی کبھار وہ ان دونوں پر ایک نگاہِ غلط انداز ڈال لیتے اور پسندیدگی میں سر ہلاتے تھے۔ ان دونوں کے پاس باتیں کرنے کو بہت سے موضوعات تھے۔ ہندوستان ، انگلستان ، فن لینڈ ، روس ، زبان ، کلچر ، اور مذہب۔ فن لینڈ خودمختار تھا مگر اس وقت روس کے زیرِ انتظام تھا اور فن لینڈ کے آئین کے مطابق ایک روسی گورنر جنرل کے ماتحت تھا۔ فن لینڈ کی پارلیمنٹ میں اس وقت انیس خواتین ارکان تھیں۔ ملک میں خواندگی کی شرح سو فیصد تھی اور یہ بڑے سادہ طریق سے حاصل کی گئی تھی۔ یعنی شادی کے خواہش مند ہر جوڑے کے لئے لازم تھا کہ وہ خواندگی کا امتحان پاس کرے۔

مسٹر ڈیگلنگ مسلسل اپنی کرسی میں دراز رہے اور سوائے کھانے کے لئے کیبن میں جانے کے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوئے جب کہ وہ دونوں وقتاً فوقتاً ادھر ادھر گھوم کر واپس اپنی کرسیوں پر آتے جاتے رہے۔ جب سفر اختتام کے قریب پہنچا تو مسٹر ڈیگلنگ نے بڑی کوشش سے سگار کو اپنے منہ سے جدا کیا اور فرمایا'' تم نہ پیتے ہو، نہ سگریٹ نوشی کرتے ہو نہ'' لاف'' کرتے ہو ۔ خدا حافظ!''۔ اس نے حیران ہو کر اپنی ساتھی سے پوچھا کہ میں تو سارا وقت ہنستا رہا ہوں یہ صاحب یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ تم'' لاف'' نہیں کرتے ہو؟۔ اس نے جواب دیا ان کا مطلب یہ تھا کہ تم لو love نہیں کرتے ہو یعنی خواتین سے پیار محبت کی باتیں نہیں کرتے۔۔۔ اور وہ۔ وہ، تو تم نہیں کرتے ہو!''۔ اس کے بعد کا حصہ مسٹر ڈیگلنگ کی جانب سے سینٹ پیٹرز برگ آنے کی دعوت کا ہے۔

یہ حصہ بھی محذوف ہے:'' ایک سہ پہر کو وہ (یعنی وہ اور سردار محمد اکبر صاحب) ریل کے ذریعہ پیٹر ہوف کا شاہی محل دیکھنے گئے جو خلیج فن لینڈ پر واقع ہے اور اس کے باغوں میں چہل قدمی کرتے پھرے ۔ دونوں میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ رومانوف خاندان جو اپنی تین سو سال برسی منا رہا ہے (1613 سے 1913)، تیزی سے اپنے رسوا کن انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس انجام کی ایک پیش خبری مسیح موعود نے دی ہوئی تھی کہ دنیا میں ایسی تباہی آنے والی ہے کہ زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار!۔''

فن لینڈ کے لوگوں کے بارہ میں چوہدری صاحب کی یہ رائے بھی درج نہیں ہوئی کہ'' فن لینڈ کے لوگ سادہ ، مہربان اور مہمان نواز ہیں ۔

نسلاً منگولوں کے قریب تر ہیں۔ان کی تاریخ سویڈن یا روس کے بیرونی اقتدار کے خلاف جدو جہد سے بھری پڑی ہے۔ثقافتی لحاظ سے یہ لوگ سویڈن سے قریب ہیں اورانہوں نے روس سے فاصلہ ہی رکھا ہے۔ان کے اوپر کے طبقہ میں سویڈش خون کی بہت آمیزش ہے۔اس لئے اس طبقہ میں فن لینڈ کی ثقافت کی بجائے سویڈش ثقافت زیادہ مقبول ہے ۔لوگ طبعاً جھگڑالونہیں دوست پرور ہیں۔''

یہ تو پہلے کی باتیں ہیں جب ابھی چوہدری صاحب کا سیاسی کیریر شروع نہیں ہوا تھا۔ جب پہلی بار وہ سر فضلِ حسین کی جگہ وائسرائے کی کاؤنسل کے عارضی طور پر رکن بنے تب کا ایک واقعہ ان کے مزاج کو سمجھنے میں بہت مد ثابت ہوسکتا ہے جو حذف کر دیا گیا ہے۔ وہ یوں ہے:'' وائسرائے کی کونسل کے ایک عارضی رکن مالیات سر ایلین پارسن تھے جو ضابطوں کے فیل پا میں مبتلا تھے اوران کے محکمے والے انہیں 'بادشاہ' کہتے اور ان سے خوف کھاتے تھے ۔ وہ اپنے ساتھ اختلاف رائے کرنے والے کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے۔ایک بار محکمہ تعلیم کی ایک فائل ان کے سامنے پیش ہوئی تو آپ نے محکمہ تعلیم کے سکرٹری کو جی بھر کے سخت سست کہا اور فائل پر بڑا کڑا نوٹ لکھا۔ سکرٹری اپنے وزیر (یعنی سر ظفر اللہ کے پاس) روتا دھوتا آیا اوران سے کہا کہ وہ وزیر خزانہ کے ان درشت الفاظ کو ملائم بنانے کے لئے کچھ کریں۔موقع بڑا نازک تھا۔وزیر تعلیم نے وزیر خزانہ کے ان الفاظ کو اپنے لئے چیلنج سمجھا کیونکہ مستقبل کے سارے تعلقات کا انحصار ان کے ردعمل پر منحصر تھا۔(چوہدری صاحب نے) قائمقام وزیر خزانہ کے نام فوراً ایک خط لکھوایا جس میں ان کے ناملائم الفاظ کا بڑے زور دار لفظوں میں شکوہ کیا اور اپنی جانب سے ایک مناسب ڈرافٹ ان کی خدمت میں پیش کیا کہ وزیر خزانہ اس کے مطابق اپنے الفاظ میں ترمیم کر دیں ورنہ وہ ان کے ناملائم الفاظ کے بارہ میں فائل پر زور دار نوٹ لکھیں گے جو تمام لوگوں کی نگاہ سے گذرے گا۔یہ جواب بڑا سخت تھا اور ان کے پرسنل اسسٹنٹ کو بھی (جو مدت مدید سے وزرا کے ساتھ کام کر رہے تھے) نامناسب معلوم ہوا۔انہوں نے کہا بھی کہ یہ معاملہ باہمی بات چیت کے ذریعہ چائے کی ایک پیالی پر طے کیا جاسکتا ہے مگر (چوہدری صاحب نے) ان سے کہا کہ آپ یہ جواب ٹائپ کرنے میں حیل وحجت نہ کریں۔چنانچہ وہ جواب ٹائپ ہوا اور دستخطوں کے بعد بھیج دیا گیا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر وزیر خزانہ کا ترمیم شدہ جواب آ گیا۔اس کے باوجود دونوں اراکین کے تعلقات باقی کے عرصہ میں بڑے خوش گوار رہے''۔ اس بات سے چوہدری صاحب کی اصول پرستی واضح ہوتی ہے اور یہ بات بھی کہ وہ اپنے ماتحتوں کی صحیح بات کے دفاع میں کہاں تک جاسکتے تھے۔

ایک مثال اور درج کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ تقابلی مطالعہ تو بہت لمبی بات ہے ۔ بادشاہ جارج ششم یعنی موجود ملکہ الزبتھ کے والد کی تاجپوشی کا جشن 1937 میں ہوا ، اس میں چوہدری صاحب برطانوی ہند کے نمائندہ کے طور پر شریک ہوئے ۔ تحدیث نعمت میں صرف اتنا لکھا ہے کہ'' مئی 1937 میں شاہ جارج ششم کی تاج پوشی کی تقریب قرار پائی ۔۔۔'' انگریزی کتاب سرونٹ آف گاڈ میں ۱۲ مئی کی تاریخ کا اضافہ کر دیا گیا ہے ۔مگر تیسری خود نوشت یعنی کولمبیا یونیورسٹی والی یادداشتوں میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ تحدیثِ نعمت سے یہ واقعہ محذوف کر دیا گیا تھا ۔ تفصیل یوں ہے:''میں تاجپوشی کی تقریب کی طرف واپس لوٹتا ہوں جو کسی طور سے بھی 'سیاسی' نہیں تھی۔یہ بڑا مسرت انگیز تجربہ تھا جس میں شاہی خاندان کی مہمانداری اور فراخدلی پیش پیش رہی۔ہم جو مختلف ملکوں کی نمائندگی کر رہے تھے تین دن تک یعنی تاجپوشی کے دن ، اور اس کے بعد کے دو دن تک برطانوی حکومت کے نہیں بلکہ بادشاہ کے ذاتی مہمان تھے ۔ اگرچہ ہم ہوٹلوں میں ٹھہرائے گئے تھے کیونکہ بکنگھم پیلس میں ہم سب کی گنجائش نہیں ہوسکتی تھی لیکن ہم ہر روز دوپہر اور شام کا کھانا شاہی محل میں کھاتے تھے اس طرح بادشاہ اور شاہی خاندان کے ساتھ بے تکلفی کے ماحول میں ملنے جلنے کا موقعہ ملتا تھا۔دونوں شہزادیاں بہت چھوٹی تھیں ۔ ملکہ الزبتھ (موجود ملکہ الزبتھ کی والدہ جو مادر ملکہ کہلاتی ہیں اور ابھی پچھلے دنوں ایک سو برس سے زیادہ عمر پا کر فوت ہوئی ہیں) بڑی پروقار شخصیت کی مالک تھیں اور ہر ایک سے بڑی محبت سے پیش آتی تھیں،ان سے مل کر بڑی مسرت ہوتی تھی ۔ اسی طرح بادشاہ سے بھی بے تکلفی سے ملاقات ہوتی تھی۔ان کی زبان میں لکنت تھی اور وہ ابھی تک اس کمزوری پر قابو نہیں پا سکے تھے ۔مجھے یاد ہے سینٹ سٹیفن ہال میں ایمپائر پارلیمنٹری ایسوسی ایشن نے بادشاہ کے اعزاز میں دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ عام طور سے بادشاہ کا جام صحت تجویز تو کیا جاتا ہے مگر بادشاہ جواب نہیں دیتا ۔ یہ تو خاص موقعہ تھا بادشاہ جواب دینے کو کھڑے ہوگئے ۔اور کوئی دو منٹ تک وہ اپنے الفاظ مجتمع نہ کر سکے ۔اپنے کاندھوں پر اتنی بڑی سلطنت کا بوجھ اٹھائے ، اس کے نمائندوں اور معزز لوگوں کے سامنے وہ بے حس وحرکت خاموش کھڑے تھے ،اور سب لوگ ان کے الفاظ کے منتظر تھے مگر یکا یک تالیوں کا شور اٹھا ،انہوں نے ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر پانچ منٹ تک تالیاں بجتی رہیں ،بجتی رہیں حتیٰ کہ ہمارے ہاتھ شل ہوگئے ۔شاید ان کے ارشادات پر اتنی تالیاں نہ بجتیں مگر بجیں اس سے ان کو حوصلہ ہوا اور انہوں نے اپنی تقریر مکمل کی ۔یہ بڑا پراثر منظر تھا۔

تاجپوشی کی تقریب تو ایک لمبا معاملہ تھا۔ ہمیں صبح آٹھ بجے اس جگہ جمع ہونا تھا جہاں سے وزراء اعظم کا جلوس شروع ہونا تھا۔ ہم گھوڑا گاڑیوں میں تھے۔ آگے آگے وزیر اعظم مسٹر اور مسز بالڈوِن تھے، ان کے بعد ڈومینیز کے یعنی کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کے وزراء اعظم کے کوچ تھے، پھر انڈیا کی باری تھی۔ میرے ساتھ میری بیوی نہیں تھیں اس لئے برما کے ڈاکٹر باء ماء کو میرے ساتھ کوچ میں بٹھایا گیا تھا۔ میں وائسرائے کے وزیر کے سرکاری لباس میں تھا یعنی سنہری کلاہ پر سفید پگڑی، سونے سے لپا ہوا کوٹ، سفید برجس اور پہلو میں لٹکی ہوئی تلوار! اس تلوار کی وجہ سے مجھے تن کر بیٹھنا پڑتا تھا کیونکہ ذرا سی بے احتیاطی سے تلوار کہیں اٹک جاتی یا وردی کو چیرتی ہوئی نکل جاتی۔ ڈاکٹر باء ماء بڑے صاف رنگ کے آدمی تھے اس پر مستزاد کہ ان کا چہرہ صفاچٹ تھا، وہ بھی اپنے قومی لباس میں تھے یعنی ریشمی بلاؤز، ریشمی سکرٹ اور سر پر منڈھا ہؤا ریشمی رومال۔ وہ میرے ساتھ کوچ میں بیٹھے تھے۔ ایک موقعہ پر کوچوں کو ٹریفک کی وجہ سے رکنا پڑا تو تماشائیوں میں سے کسی نے آواز لگائی: 'حضور! ذرا پیچھے ہو کر بیٹھیں، اپنی خاتون کے درشن تو کرنے دیں'!

تاج پوشی کی اس تقریب میں مہاراجہ بڑودہ کا تفصیل سے ذکر ہے اور بھی بہت سی باتوں کا مگر میں تفصیل کے خیال سے اس کو چھوڑتا ہوں۔ اصل مقصد اس مضمون کا صرف یہ بیان کرنا ہے کہ تحدیثِ نعمت میں سے جو چیزیں حذف کر دی گئی تھیں وہ اپنی ذات میں بڑی دلچسپ اور اہم تھیں اور ان سے ممدوح کی ذات کے بہت سے لطیف تر پہلو بھی اجاگر ہوتے تھے۔ اللہ نے توفیق دی تو تینوں خود نوشتوں کے تقابلی مطالعہ کے نتائج قارئین کی خدمت میں پیش کروں گا۔

☆☆☆☆☆

غزل

جو بُلند بامِ حروف سے، جو پرے ہے دشتِ خیال سے
وہ کبھی کبھی مجھے جھانکتا ہے غزل کے شہرِ جمال سے

میں کروں جو سجدہ تو کس طرف کہ مرا وہ قبلۂ دید تو
کبھی شرق و غرب سے جلوہ گر ہے، کبھی جنوب و شمال سے

ابھی رات باقی ہے قصّہ خواں، وہی قصہ پھر سے بیاں کرو
جو رقم ہوا تھا کرن کرن کسی چاند رُخ کے وصال سے

میں جہاں بھی تھا ترے حسن کے کسی زاویئے کا اسیر تھا
میں تو ایک پَل بھی نکل سکا نہ کبھی محیطِ جمال سے

کبھی خود کو تجھ میں سمو کے میں لکھوں چاہتوں کے مکالمے
کبھی نام اپنا نکال لوں ترے نام کی کسی فال سے

جو ترے خیال کو جاوداں جو مرے سخن کو امر کرے
وہی ایک لمحہ تراش لوں ترے ہجر کے مہ و سال سے

مری عمر ساری گزر گئی ہے رشیدؔ جس کے طواف میں
بھرے شہر میں وہی ایک شخص ہے بے خبر مرے حال سے

رشید قیصرانی

محسن اردو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب

(مکرم نسیم سیفی صاحب مرحوم سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ)

محسنین اردو میں حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو زبان کو فروغ دینے کے لئے جو مختلف ذرائع استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ آپ نے تقریباً ان تمام ذرائع کو استعمال کیا اور ایسے وقت میں جب کہ اردو زبان کو خاص طور پر اس بات کی ضرورت تھی کہ صاحب اقتدار لوگ اسے سہارا دیں اور نہ صرف قلمی خدمت سرانجام دیں بلکہ اشاعت وترویج کے لئے قلمی جواہر پاروں کو اپنی جیب سے روپیہ خرچ کر کے شائع کریں اور ملک کے مختلف طبقوں تک اس کی رسائی کے سامان بہم پہنچائیں۔

مرزا صاحب موصوف نہ صرف ایک اچھے نثر نگار تھے اور اس کے ساتھ ہی ایک اچھے ناظم بھی بلکہ انہوں نے اپنی ستر کے قریب کتب کو زیادہ تر اپنی جیب سے روپیہ خرچ کر کے چھپوایا اور اس طرح اردو کی قلمی خدمت کے ساتھ ساتھ مالی خدمت بھی کی۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''خان بہادر مرزا سلطان احمد جو قادیان کے مشہور مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جناب مرزا غلام احمد صاحب بانی جماعت احمدیہ کے (زوجۂ اول سے) فرزند اکبر تھے۔ مرزا سلطان احمد صاحب غالباً 1854ء میں یا اس کے قریب پیدا ہوئے تھے 80 سال کی عمر پا کر 1931ء میں فوت ہوئے.......... مرزا سلطان احمد صاحب نائب تحصیلدار کے عہدہ سے اپنی ملازمت کا آغاز کر کے افسر مال کے عہدہ تک پہنچے۔ اور چند دن تک گوجرانوالہ میں قائمقام ڈپٹی کمشنر بھی رہے تھے۔ پنشن کے بعد ریاست بہاولپور میں وزیر مال کے جلیل القدر عہدہ پر بھی کچھ عرصہ کام کیا۔ ملازمت کے دوران میں مرزا صاحب موصوف کا دامن ہر جہت سے بے داغ رہا۔ آپ کے دل میں مسلمانوں کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مگر دوسری قوموں کے ساتھ بھی انصاف کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ تصنیف میں بھی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کو خاص شغف تھا اور کبھی کبھی شعر کا شغل بھی کر لیتے ان کی تصنیفات میں ایک اعلیٰ ہستی، علوم القرآن، اساس القرآن، فنون لطیفہ، ضرب الامثال، زمیندارہ بنک اور چند نثر نما نظمیں زیادہ معروف ہیں۔''

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب جن کی تحریر کا اقتباس میں نے ابھی آپ حضرات کو سنایا ہے مرزا سلطان احمد صاحب کے چھوٹے بھائی تھے اور خود ایک نہایت اچھے مصنف تھے۔ یہ بات تو عام طور پر دیکھی گئی ہے کہ کسی مصنف نے ایک ہی موضوع پر متعدد کتب تصنیف کی ہوں۔ یہ بھی علمی تبحر کی دلیل ہے لیکن یہ کہ کوئی مصنف ایک سے زیادہ موضوعات پر ایک ہی جیسی قدرت اور روانی وسلاست کے ساتھ قلم اٹھا سکے بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے اور جس مصنف میں یہ بات پائی جاتی ہو اس کے تبحر علمی کا تو پھر کیا ہی کہنا۔ مرزا سلطان احمد صاحب نے مذہبیات پر قلم اٹھایا تو نہایت بیش قیمت جواہر پارے یادگار چھوڑے۔ اخلاقیات پر لکھا تو یوں محسوس ہوا کہ گویا اخلاقیات آپ کا خاص موضوع ہے۔ فلسفہ کے متعلق گوہر افشانی کی تو فلاسفروں کو دنگ کر دیا۔ ان سب باتوں سے مختلف لیکن ایک نہایت ہی اہم مضمون جس کے ساتھ مسلمانوں کی بہبود وابستہ تھی اس پر بھی لکھا اور وہ تھا زمینداراہ بنکاری۔

مذہبیات میں آپ کی ایک چھوٹی سی کتاب ''ایک اعلیٰ ہستی'' اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ہستی کے اکاون دلائل پر مشتمل ہے۔ نہایت سلیس پیرائے میں اور عام فہم طریق پر آپ نے اپنے قارئین کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ کون ومکان کو پیدا کرنے والی ایک ہستی ہے اور وہ سب سے برتر واعلیٰ ہے۔

اس کتاب میں ''لاشے اور ہستی'' کے عنوان سے آپ لکھتے ہیں:

''انسان یہ بھی جانتا ہے کہ لاشے محض سے کوئی حقیقی وجود پیدا نہیں ہو سکتا جیسا کہ لاشے محض دو قائموں کے برابر نہیں ہو سکتی۔ یہ مان لیا گیا ہے کہ نیست سے ہست نہیں ہو سکتا جب ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک نیست ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرض کرنا پڑتا ہے کہ اس سے ہست نہیں ہو سکتا کیونکہ نیست نہ تو کوئی ہستی ہے اور نہ کوئی وجود اور نہ کوئی

طاقت جو کچھ بھی نہیں وہ کیا طاقت اور ہستی رکھے گا اور اس کی قیمت کیا کچھ ہوگی۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نیست سے ہست مشکل ہے تو پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم اپنے اردگرد ایک عالم ہست دیکھتے ہیں جس سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ یا تو یہ عالم ہست خود بخود نیستی سے منتقل بہ ہست ہوا ہے اور یا یہ کہ اس کے سوا کوئی اور ہستی اس کی ہستی کا باعث ہوئی۔ اگر یہ ہستیاں خود بخود ہی وجود پذیر ہوتی ہیں تو یہ درست نہیں کیونکہ نیست سے ہست ہو ہی نہیں سکتا۔ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی دوسرا ہست ان ہستیوں کا باعث ہے جو قدیم سے موجود ہے اور جس کی ہستی بجائے خود کوئی آغاز اور شروع نہیں رکھتی۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسی ہستی قدامت تقدس کے ساتھ ہی قوی تر بالاتر، قادر تر بھی ہوگی۔ کیونکہ جب تک وہ یہ صفات نہ رکھے۔ تب تک وہ تسلیم نہیں کی جاسکتی۔''

کتنی عام فہم ہے یہ مثال اور کتنے اچھے رنگ میں یہ پیش کی گئی ہے۔ ساری کتاب ایسی ہی مثالوں سے پر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی تحریریں نہ صرف اردو زبان پر ایک احسان کا رنگ رکھتی ہیں بلکہ عمومی طور پر ان کو بنی نوع انسان پر بھی احسان کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اتنی عام فہم تحریروں سے بنی نوع انسان کو اپنے خالق کا پتہ دینا اور اس سے قریب سے قریب تر لانا اگر بنی نوع انسان پر احسان نہیں تو اور کیا ہے۔

اپنی نظموں کے مجموعے کو ''چند نثر نما نظموں کا مجموعہ'' نام دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ان شعراء میں سے ہیں جنہیں روایتی اقدار کا پاس ہونے کے باوجود اس بات کا احساس تھا کہ کسی قدر تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نئی طرز شاعری کے پیشرووں میں صف اول میں کھڑے نظر آتے ہیں:

اس مجموعے کے دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں:

''بے شک شاعر اور ناظم یا شعر اور نظم میں بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بادی النظر میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ شعر اور نظم دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ لیکن اگر ہم تنقیدی نظروں سے دیکھیں گے تو ماننا پڑے گا کہ جیسے نظم اور نثر میں فرق ہے اس کے قریب ہی شاعر اور ناظم، شعر اور نظم میں بھی بڑا فرق ہے۔ اگرچہ ادبی پہلو کے لحاظ سے بظاہر ہم اکثر شعر کو نظم اور نظم کو شعر کہتے ہیں۔ لیکن دراصل بات یہ نہیں ہوتی۔ ناظم اپنی نظموں میں شعری نکات پر قیاس نہیں کرتا بلکہ صرف شعر گوئی کے ظاہری تعبیرات اور نکات شاعری کو ملحوظ رکھ کر نثری الفاظ اور فقرات کو جوڑ کر فارغ ہو جاتا ہے۔ شاعر بے شک نظم بھی کرتا ہے۔ اس کا فعل تنظیم ادبی رنگ کے پہلو سے کچھ اور رنگ رکھتا ہے۔''

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں:-

''ہم اس کوچے سے بالکل ناآشنا ہیں جس میں شاعر رہا کرتے ہیں۔ ہمیں تو شعر فہمی کا بھی ملکہ نہیں۔ شعر گوئی کجا۔ جب شعر فہمی کا بھی ملکہ نہیں رکھتے تو ایک حد تک نظم گوئی سے بھی محروم ہیں۔ ہم یہ چند نظمیں اس خیال سے پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک ناثر کو بھی حق ہے کہ اپنے مضامین بہ اختیار حسن مضامین کے پیش کرے اگر چہ یہ خوان نظم نکات شعری سے خالی ہیں لیکن ہم متوقع ہیں کہ ہمارے قارئین کرام بمصداق برسر خوان تہی سرپوش باش عمل پیرا ہو کر مشکور ہوں گے۔''

اس مجموعے میں چند ایک غزلوں کے علاوہ متعدد طویل نظمیں ہیں ''وقت'' کے متعلق ایک نظم کے آخر پر آپ فرماتے ہیں:-

ہائے بے وقت ہم ہوئے بیدار
جا چکا وقت جب ہوئے بیدار
وقت گم ہو گیا تو ہوش آیا
کیسا بے وقت دل میں جوش آیا
وقت کو مفت کھودیا ہم نے
اپنے ہاتھوں ڈبو دیا ہم نے
اے عزیزو سنو نصیحت یہ
وقت کرتا ہے خود وصیت یہ
اپنے اوقات کے رہو پابند
ہے زمانے کی سود مند یہ پند

زیادہ تر نصیحت آموز نظمیں ہیں۔ مسلمانوں کی گراوٹ کا نقشہ کھینچ کر ان کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ گل وبلبل کے قصے کو چھوڑ کر قومی درد پیدا کیا جائے۔

گل وبلبل کے مضمون نے پھل تم کو کیا بخشا
اگر کچھ درد رکھتے ہو تو قصہ قوم کا دیکھو
ہر اک جانب سے آتی ہے صدا آگے بڑھے جاؤ
قدم پیچھے نہ رکھو اب زمانے کی ہوا سمجھو

''علم و دولت'' کے عنوان سے علم اور دولت کا مناظرہ پیش کیا گیا ہے اور علم کو دولت سے بہتر ثابت کر کے نظم کو یوں ختم کیا ہے۔

اوجِ چرخِ علم پر چڑھ جاؤ کیا تاخیر ہے
کامیابی کی یہی صورت یہی تدبیر ہے

حمد باری کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

حمدِ باری میں زباں معذور ہے
درک ناقص ناطقہ مجبور ہے
حیطۂ ادراک سے ہو جو پرے
حمد اس کی کس طرح انساں کرے
صنع صانع کی کرے تعریف کیا
خلق سے خالق کی ہو توصیف کیا

ذرّہ ذرّہ سے صدا آتی ہے یہ
ہر بُنِ مُو سے ندا آتی ہے یہ
مسکن اس کا ہر گل و گلزار ہے
مذہب اس کا عندلیب و خار ہے

گُل وبلبل، گُل وخار جواب خار ایک طویل نظم کے حصے ہیں جس کے آخری حصہ کا عنوان ہے۔

''نتیجہ'' اور بات یہ پیش کی گئی ہے کہ ۔
دارِ دنیا ہے مقامِ امتحاں
آزماتا ہے خدائے دوجہاں
شکر بھیجے کون ہو کر درد مند
کون ایذاؤں میں ہو راحت پسند
خلق میں توام ہیں یہ شادی و غم
لطف میں پنہاں ہیں سامانِ ستم
شادی و غم میں بشکل خاروگل
مبتلا رہتے ہیں اس میں جزو کل
خار کے صدمے سے جو مغموم ہو
صبر اس کا خلق کو معلوم ہو
آفتوں پر ہر طرح صابر رہے
عمر بھر معبود کا شاکر رہے
نیک پائے گا جزا روزِ جزا
پھل ملے گا صبر کا بے انتہاء
رحمت اس پر قادرِ برحق کی ہو
خارِ غم کے جو اٹھائے رنج کو

یہ ایک اور طویل دلکش اور نصیحت آموز نظم کے حصے ہیں۔ اور اس نظم کو ان حسین اشعار پر ختم کیا ہے۔ ۔

دردِ دل جس میں نہیں کیا خاک وہ انسان ہے
سچ تو یہ ہے ایک قالب ہے مگر بے جان ہے
بانسری دیتی ہے یہ ہر دم دعا انسان کو
دردِدل سوزِجگر بخشے خدا انسان کو
ہو بیاں کس طرح کیا نعمت ہے یہ سوزِ نہاں
ذائقہ اس کا زباں سے ہو نہیں سکتا بیاں
دل نہیں گو ہر وہ پتھر ہے جو اس میں غم نہیں
آنکھ وہ بینا نہیں اندھی ہے جس میں غم نہیں

یہ نظمیں آپ کے درد دل اور قادر الکلامی کا بہترین نمونہ ہیں۔

اور بہت سی نظمیں ہیں جن کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن وقت کی رعایت کے ساتھ نظم کے حصہ کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اب آپ رنگ تغزل کے نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کی غزلوں میں بے ساختگی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

عشق بھی آزما کے دیکھ لیا
آگ میں دل جلا کے دیکھ لیا
شیخ جی راز کھل گیا آخر
بزمِ رنداں میں آ کے دیکھ لیا

گلہ تیرا مرے منہ سے غضب ایسا نہیں ممکن
ترے حق میں برا کیونکر کہے میری زباں ہو کر میری

ہے بشر کے ساتھ پیدا یاس و غم
کون اس میں مبتلا ہوتا نہیں
کیوں بنائیں تجھ کو ہم پیغامبر
ہم سے یہ بادِ صبا ہوتا نہیں

کسی پر کاش شیدا ہی نہ ہوتے
تو دل پر داغ پیدا ہی نہ ہوتے
یہ بیداری وبالِ جان نکلی
گزرتی کاش اپنی سوتے سوتے

غبار ۔آلود دامان نظر ہے
کہو سچ سچ تم آئے ہو کہاں ہے

کچھ پتہ اور ٹھکانا نہیں ان کا ملتا
بے ٹکانے ہو تو فرمایئے جاؤں کیسے

یہ چشم فتنہ ساماں کیا کچھ دکھا رہی ہے
فتنے جو سو رہے تھے ان کو جگا رہی ہے
کچھ علم بھی ہے اس کا گل پر جو ہے گزرتی
دیوانہ وار بلبل اپنی سنا رہی ہے

غزلوں میں بھی قومی درد جھلکتا ہے۔

ہر اک قوم رکھتی ہے ماواؤ مسکن
فقط اپنی ہی قوم اک در بدر ہے
امت کا تیرے حال نہایت زبوں ہے اب
کہہ دے کوئی یہ جا کے خدا کے حبیب سے

منزلِ مقصود کو قوموں نے جا کر لے لیا
اب تو اٹھ اے قوم بیدل ورنہ پھر پچھتائے گی
باہمی جھگڑوں سے تو روبہ تنزل قوم ہے
رفتہ رفتہ یہ خلش بھی ایک دن مٹ جائے گی

بدل دو وصل کی شب ہنس کے رنگت چشم پرنم کی
خوشی کی رات ہے یہ اب نہ کچھ باتیں کرو غم کی

خدا معلوم اب انجام کیا ہو
سحر کا رنگ کیا ہو شام کیا ہو
نگاہِ مہر سے محروم ہے یہ
مریضِ عشق کو آرام کیا ہو
کبھی تو بیٹھئے ، پہلو میں آ کر
کہ ہم بھی حوصلے دل کے نکالیں

یہ ہیں حضرت مرزا سلطان احمد صاحب سلیس اور عام فہم نثر میں مذہبیات، اخلاقیات، معاشیات اور ایسے ہی دیگر متعدد موضوعات پر بے شمار کتابیں

لکھنے والے اور پرانی اقدار کو قائم رکھتے ہوئے نئی نظم کے پیشرووں کی صفِ اول کے شاعر۔ آپ نے نہ صرف قلم سے اردو زبان کی خدمت کی بلکہ مالی لحاظ سے بھی اس پر ایسے احسان کئے کہ ہمیشہ اردو زبان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔

میں یہاں اس بات کو پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نہ صرف اردو کے محسن تھے بلکہ مسلمانوں کی بھی انہوں نے ایسی ایسی خدمات سرانجام دیں کہ ان کے وقت میں کم لوگ ہی ایسا کر سکتے تھے۔

فقیر سید وحید الدین صاحب فرماتے ہیں:

''سرکاری ملازمت میں انہوں نے اپنے فرائض بڑی محنت، ذہانت اور دیانتداری سے انجام دیئے۔ جس جگہ بھی رہے نیک نام رہے۔ بالا دست افسر بھی خوش ماتحت عملہ اور اہل معاملہ عوام بھی مطمئن۔ وہ اپنی خوبیوں کے سہارے ترقی کرتے کرتے ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک پہنچے۔ جو اس زمانے میں ایک ہندوستانی کی معراج تھی۔ سادہ لباس، سادہ طبیعت، انکسار اور مروت ان کے مزاج کا خاصہ تھا۔ ان کی ذات کے جوہر اس وقت پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آئے جب وہ ریاست بہاولپور کے وزیر بنا کر بھیجے گئے۔ کوٹھی میں داخل ہوتے ہی ملازمین سے کہا۔

''سلطان احمد اس ٹھاٹھ باٹھ اور ساز و سامان کا عادی نہیں ہے''

چنانچہ ان کے کہنے سے تمام اعلیٰ قسم کا فرنیچر اور ساز و سامان اکٹھا کر کے ایک کمرے میں مقفل کر دیا گیا...... اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے بڑے صاحب کردار بزرگ تھے''۔

(بشکریہ ماہنامہ تحریک جدید ربوہ)

دل دریا سمندروں ڈونگے۔ کون دلاں دیاں جانے؟

(مکرم محمد زکریا ورک صاحب۔ کنگسٹن کینیڈا)

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ سب سے بڑی بیماری دل کی بیماری ہے اور دل کی بیماریوں میں سے سب سے بڑی بیماری دل آزاری ہے

دل کیا ہے؟ جذبات کا مسکن ہے۔ محبت کا گھر ہے۔ آرزوؤں کا چمن۔ محبتوں کا آزردہ مزار۔ نفرت کی آماجگاہ۔ ٹھکانہ نیکی کا۔ خطا کا۔ محبت کا۔ نفرت کا۔ آس کا۔ یعنی یہ ان گنت جذبات کا مسکن ہے۔

انسانی جسم اور دل کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ دل انسان میں جذبات کا ملجا اور فہم و فراست کا منبع ہے صحت مند دل کا مالک یقیناً صحت مند ذہن کا مالک ہوتا ہے ہر انسان کے کردار کا دارومدار اس کی سوچ پر منحصر ہوتا ہے یا یوں کہیں کہ انسان جیسا سوچتا ہے ویسا ہی رنگ وہ اختیار کرتا ہے خداوند کریم نے ہمیں اپنے خیالات اور سوچ پر قدرت بخشی ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے اخلاق کو حسین و جمیل بنا سکتے ہیں بری سوچ برے اخلاق اور اچھی سوچ اچھے اخلاق کو جنم دیتی ہے فی الحقیقت دل برے یا اچھے ہر قسم کے خیالات کا مرکز ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ دل کو پاک اور آئینہ کی طرح صاف رکھے سچی بات تو یہ ہے کہ جو دل میں ہوتا ہے وہی چہرہ پر منعکس ہو جاتا ہے۔

امریکہ کے مشہور رسالہ سائیکالوجی ٹوڈے میں دل اور روح کے باہم تعلق کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے طبی سائینس نے انسان کے ایک نہایت رومانی خیال۔ کہ جذبات کا مرکز ہمارا دل ہے کی۔ تردید کرتے ہوئے امراض قلب کو رفع کرنے میں بڑی پیش رفت کی ہے دل کو ایک بے حس اور بے جان پمپ تصور کرتے ہوئے جراحی کے ماہرین پیس میکر بنانے میں کامیاب ہو گئے اور اس کی جگہ مصنوعی دل جو کہ جدید علم طب کی زبردست کامیابی ہے بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں بارنی کلارک اور دوسرے حوصلہ مند مریض کیمیائی نسخے استعمال کر رہے تھے اس وقت سائینس دان علم نفسیات کی مدد سے یہ جاننے میں کوشاں تھے کہ دل کی بیماری کس حد تک روح کی بیماری کا باعث ہو سکتی ہے جن لوگوں کو دل کے حملہ کا زیادہ احتمال ہوتا ہے ہو سکتا ہے ان کے اندر روحانیت کی کمی ہو۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے ماہرین امراض قلب اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ دعائیہ کلمات کو بار بار دہرانے سے اختلاج قلب اور دوران خون میں تیزی سے گراوٹ ہوتی ہے اور دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

میری لینڈ یونیورسٹی کے ایک ماہر نفسیات James Lyrch ہائی بلڈ پریشر کا نفسیاتی پہلو دریافت کرنے کے لئے تحقیق کر رہے ہیں ان کا کہنا

ہے کہ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو دوران خون تیز ہو جاتا ہے مگر جب ہم دوسروں کی گفتگو سن رہے ہوتے ہیں تو دوران خون گر جاتا ہے (سائیکا لوجی ٹوڈے فروری 1989)۔

بعض اوقات انسانی دماغ کام کرنا بند کر دیتا ہے یا مر جاتا ہے اس کے باوجود دل کام کرتا رہتا ہے اور نچلے دھڑ میں خون گردش کرتا رہتا ہے ایسے واقعات سننے میں آئے ہیں کہ دو سال تک ایک شخص برین ڈیڈ ہونے کے باوجود زندہ رہا اور اسکا دل مسلسل دھڑکتا رہا اور زندگی سے اس کا ناطہ اس وقت تک جڑا رہا جب اس کا اسکا دل کام کرتا رہا۔

دل جسم کا سب سے اہم عضو ہے جو پورے جسم کو خون سپلائی کرتا ہے اور اگر دل کے کام میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو اس سے پورا جسم متاثر ہوتا ہے۔ اگر چہ انسانی جذبات کا مرکز دل ہے مگر ایک شخص کے سینہ میں اگر مصنوعی دل لگا دیا جائے تو اس کے جذبات میں انقلاب نہیں آجاتا اور نہ ہی اسکا دل بدل جاتا ہے یعنی اس کے جذبات مصنوعی نہیں ہو جاتے اور وہ مگرمچھ کے آنسو بہانا نہیں شروع کر دیتا۔

آج صبح کی ٹیلی ویژن خبروں میں بتلایا گیا کہ کیلی فورنیا میں ایک شخص کو ایسی مشین سے منسلک کر دیا گیا جو اس کے جسم کے باہر ہے اور جو دل کا متبادل ہے اسکا وزن نو پاؤنڈ ہے جب تک اس کیلئے نیا دل نہیں مل جاتا اسکا خون اس مشین کے ذریعہ جسم میں گردش کرتا رہیگا یہ بیٹری سے کام کرتا ہے۔ اس آدمی نے کھانے میں چیز کیک کھایا ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر یہ مریض اس مصنوعی دل پر ایک ماہ تک زندہ رہا تو یہ چیز تاریخی ہوگی (2۔اگست 2001)

دل کی شاہراہ

ہمارے جسم میں سب سے حساس عضو دل ہے۔ دل کے چار چیمبرز ہوتے ہیں۔ اور دل چونکہ ایک پمپ ہے اس کا واحد مقصد آکسیجن بھرے خون کو پمپ کرنا اور جسم میں رواں دواں رکھنا ہے لیکن دل کا ایک مخفی کام محسوس کرنا بھی ہے یہ اچھی اور بری چیزوں کو محسوس کرتا ہے کہا جاتا ہے کہ عورت کا دل اس کے دماغ پر حکومت کرتا ہے کس قسم کی حکومت کرتا ہے؟ یہ تو وہی جانتا ہے جس کے دل پر گزرتی ہے۔ دل بے چارے پر سے اگر کوئی چیز گزر جائے تو اسکا کچومر ہی نکل جائے لیکن یہ بھی اتنا سخت دل واقع ہوا ہے کہ اس پر سے بڑی بڑی چیزیں گزر جاتی ہیں مگر مجال ہے جو یہ ٹس سے مس ہو جائے اب تو یہ باقاعدہ ایک ہائی وے بن چکا ہے جسے شاہراہ دل کا نام دیا گیا ہے۔ انگریزی کا یہ مقولہ بہت دلچسپ ہے

The way to a man's heart, goes through his stomach

شاہراہ دل کی دیواروں پر جا بجا مختلف نام کندہ ہیں اگر دل کو زبان پر لایا جائے تو! اگر کبھی آپ نے کسی جانور کا دل دکھایا ہو تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کس طرح دل کو زبان پر لایا جاتا ہے چکن کا دل تو نہایت آسانی سے زبان پر آجاتا ہے لیکن چوپایوں کا دل زبان پر لانا دل گردے کا کام ہے۔

دل کبھی کبھار بجھ بھی جاتا ہے۔ خوف دل کو لگا رہتا ہے کہ اس جلنے بجھنے میں کہیں اس کا فیوز ہی نہ اڑ جائے اگر دل بجھا نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ یہ جل رہا ہے یہ دنیا کی واحد شے ہے جو جل رہی ہوتی ہے لیکن اس سے روشنی پیدا نہیں ہوتی ہے پھر اس پر طرفہ یہ کہ دل کاروبار کیلئے بھی استعمال ہوتے ہیں کبھی دل لئے جاتے ہیں اور کبھی بلا معاوضہ پری چہرہ لوگوں کو دے دئے جاتے ہیں کسی سے لیا ہوا دل مشکل سے واپس ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے میں دل کو دورہ پڑنے کا قوی امکان ہوتا ہے دل واپس دینا بڑے دل گردے کا کام ہے اتنی محفوظ جگہ پر ہونے کے باوجود دل کی چوری بھی ہوجاتی ہے اکثر لوگوں کو چوری کا علم بعد میں ہوتا ہے ایسی چوری کی رپورٹ پولیس اسٹیشن میں بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ اکثر پولیس والوں میں دل کی جگہ ایسی چیز ہوتی ہے جسے سنگدل کہا جاتا ہے۔

شیشے کی طرح نازک

بعض لوگوں کو اپنا دل دوسروں کو دینے کا شوق ہوتا ہے چاہے کوئی لینا پسند کرے یا نہ کرے۔ بعض لوگ دل ہار جاتے ہیں اور کبھی کبھار یہ پاگل بھی ہو جاتا ہے بعض دل تیرنا بھی جانتے ہیں لیکن چند ایک دل ڈوب بھی جاتے ہیں جب دل ایک بار ڈوب جائے تو پھر اس کی تلاش غیر ممکن ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں کو اپنے محبوب کا دل اتنا میٹھا لگتا ہے کہ وہ اس کو سویٹ ہارٹ کا نام دیتے ہیں اور بعض سرشوریدہ ایسے ہوتے کہ وہ اپنے محبوب کو دل کی دھڑکن کہتے ہیں۔

دل شیشے کی طرح نازک ہوتا ہے۔ بعض اوقات شیشہ دل چور چور ہو جاتا ہے اس چور چور دل کی کرچیاں سنبھال کر رکھیں اس طرح لوگوں میں پورا دل بانٹنے کی بجائے ایک ایک کرچی دی جاسکتی ہے بعض لوگوں کے سینوں میں مصنوعی دل لگے ہوتا ہے جو کافی مضبوط ہوتا ہے اور شدید ترین شاک کو بھی برداشت کر لیتا ہے لیکن ایسا دل عشق کا کاروبار کرنے سے عاری ہوتا ہے۔ اب تو بازار میں لوہے کے دل۔ اسٹین لیس سٹیل کے دل۔ اور پتھر بلکہ پلاسٹک کے دل بھی دستیاب ہیں ایسے دل کسی بھی سینہ میں بہ

آسانی فِٹ کئے جاسکتے ہیں ۔

دل کی بہت سی باتیں ایسی ہیں جو دل میں ہی رہیں تو اچھا ہے دل کی باتیں اگر زبان پر آ جائیں تو دلوں میں میل آ جاتا ہے میلے دلوں کا علاج ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ ڈرائی کلین کرائے جاسکتے ہیں کہا جاتا ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اور اگر محبوب سا منے ہو تو دل بلّیوں اچھلنے لگتا ہے دل پر اگر دوسروں کے حال طشت از بام ہو جائیں تو دل پر قیامت برپا ہو جائے بہر حال دلوں کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے

اخبار جہاں 27 مارچ 2000

قرآن اور قلب

قرآن پاک میں نے دل اور دل کی حالتوں کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں جیسے۔ الباب۔صدر۔قلب(۱۳۱ مرتبہ) نفس اور فؤاد (۶۱ مرتبہ)۔

ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: **لسان الفتی نصف و نصف فؤاده** ۔یعنی ایک نوجوان کا نصف تو اسکی زبان ہوتی ہے اور بقیہ نصف اسکا دل ہوتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ اور قلب

ان المومن ازا ازنب کا ن نکتهة سودا۔ة فی قلبه فان تا ب و نزع واستغفر سقل قلبه فان زاد زادت حتی یغلف قلبه (ابن جریر)

عمل کا اثر دل پر۔۔حدیث میں آتا ہے کہ ہر عمل کا اثر انسان کے قلب پر ہوتا ہے اگر نیکی کرے تو اس کے قلب پر نور کا ایک نشان پیدا ہو جاتا ہے اور بدی کرے تو ایک سیاہ نشان پڑ جاتا ہے اسی طرح نیکی کرنے والے نیکیوں کے دل پر نور بڑھتا رہتا ہے حتٰی کہ اس کا سارا دل روشن ہو جاتا ہے اور وہ نجات پاتا ہے اور بدی کرنیوالے کے دل پر سیاہ دھبے بڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک دن سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد لجسد کله الا و هی القلب یعنی انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ تندرست ہوتا ہے تو سارا جسم تندرست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے غور سے سنو کہ وہ دل ہے۔

جبلت القلوب علی هب من احسن الیها

انسانی دل کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنخضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص میرے صحابہ کے متعلق ناگوار باتیں نہ کرے کیونکہ میں پسند کرتا ہوں کہ جب ان سے ملوں تو میرا سینہ و دل سب کے لئے صاف ہو(ترمذی)۔

عربی زبان میں دل کے لئے فؤاد کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔کسی نے فؤاد کی یوں تشریح کی ہے:

The Arabic word al-Fuad in fact always refers to the final seat of human understanding and not the physical heart. Heart is a figure of speech which refers to mind............

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تک دل درست نہ ہو اس وقت ایمان بھی صحیح اور مستقیم نہیں ہو سکتا ہے

نبی پاک ﷺ ایک اور پیاری دعا یہ ہے

اے میرے مولیٰ کریم میرے دل میں نور بھر دے۔ میری آنکھوں میں نور بھر دے۔ میرے کانوں میں نور بھر دے۔ میرے آگے نور۔ میرے پیچھے نور۔ میرے اوپر نور۔ میرے نیچے نور۔ اور یوں کہ مجھے پھر نور ہی نور بنادے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنخضرت ﷺ رمضان یا غیر رمضان میں پچھلی رات میں تہجد کے وقت گیارہ رکعت سے زیادہ نفل نماز نہیں پڑھتے تھے آپ چار رکعتیں پڑھتے انکی خوبصورتی اور لمبائی کا نہ پوچھئے پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے انکی خوبصورتی اور لمبائی کا نہ پوچھئے پھر اس کے بعد تین رکعتیں پڑھتے بی بی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وتر ادا کرنے سے قبل آپ سوتے ہیں؟ حضور ﷺ نے جواباً فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا ہے(بخاری کتاب الصوم)

ایک سوال کے جواب میں ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ کو کسی انسان نے ننگی آنکھ سے نہیں دیکھا اللہ کو جس نے دیکھا دل کی آنکھ سے دیکھا۔

ایک اور حدیث نبوی ﷺ میں بیان ہوا ہے کہ:

البر ما اطما نت الیه النفس و اطما ن الیه القلب والا ثم ما حا لک فی النفس و تردد فی الصدر و ان افتا ک النا س (مسند احمد)

نیکی وہ ہے جس سے تیرا نفس مطمئن ہو اور تیرا دل بھی مطمئن ہو جبکہ گناہ وہ ہے جس سے تیری روح پریشان ہو اور تیرے سینہ (یعنی دل) میں تردد پیدا ہو چاہے لوگ اسے شرعی قرار دیں ۔

اردو زبان میں قلب

جہاں تک جذبات کا تعلق ہے محبت اور خوشی کے موقع پر آپ دل ہی میں خوشی کی لہر محسوس کرتے ہیں اور غم کے موقع پر آنسوؤں کے ساتھ سینے میں دل

ہی بھینچتا ہوُا محسوس ہوتا ہے کیونکہ آنسو پیدا کرنے والے غدود اور اسکی نالی اپنا کام صرف دل کے حکم پر کرتے ہیں

روزمرہ زندگی میں ہم مندرجہ ذیل جملے اور محاورے اکثر استعمال کرتے ہیں:

میرا یہ کام کرنے کو دل نہیں کرتا میرا دل رو رہا ہے۔ میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔ میں نے دل دیا۔ میرا اس نے دل دکھایا۔ دل آب آب ہو گیا (نرم)۔ دل آ گیا۔ دل آرام (محبوب) دلاویز۔ دل لبھانا۔ دل آئینہ ہونا (نیک و بد خوظاہر ہو جانا)۔ دل ایک ہونا (ہم خیال)۔ دل باغ باغ ہونا۔ دل بجھ جانا۔ دل بر داشتہ۔ دل بڑھانا۔ دل بلیوں اچھلنا۔ دل بند (محبوب)۔ دل بھر آنا۔ دل بھر جانا۔۔ دل بھر کے۔ دلداری کرنا۔ دل دریا۔ دل دوز۔ دل دونیم ہونا۔ دل دھک دھک کرنا۔ دل دہل جانا۔ دل دہی۔ دل دینا۔ دل ڈوبنا۔ دلربا۔ دل رکھنا۔ دلستاں (دل چھین لینے والا)۔ دل سوختہ۔ دل سوز۔ دل سے (توجہ سے) دل سے اتر جانا۔ دلشاد (خوش)۔ دل شکنی کرنا۔ دل غنی ہونا۔ دلفگار (غمگین)۔ دل کا ارمان نکلنا۔ دل بہلانا۔ دل کی بھڑاس نکالنا۔

دل کا بخار نکالنا۔ دل کا بودا (بزدل)۔ شیر دل۔ دل کا ٹکڑا۔ دل کا کنول کھلنا۔ دل کا کھوٹا۔ دل کا سچا۔ دلکشا۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ دل کھول کر دینا۔ دل کی بھڑاس نکالنا۔ دل کی کہنا۔ دل کی گانٹھ (شکوہ)۔ دل کی لگی۔ دل کی چوٹ۔ دل کے پھپھولے پھوڑنا (جلی کٹی باتیں کرنا)۔ دلگداز۔ دل گردہ ہونا۔ دل گرفتہ۔ دل لگ جانا۔ دل لگی۔ دل لوٹ پوٹ ہونا۔ دل لہو ہونا۔ دل مارنا۔ دل مٹھی میں لینا۔ دل مٹی ہونا۔ دل مچلنا۔ دل مرحوم (عاشق کا دل) دل مسوس کر رہ جا نا۔ دل موہ لینا۔ دل میلا کرنا (رنج)۔ دل میں آنا۔ دل میں جگہہ کرنا۔ دل میں چٹکیاں لینا۔ دل میں دل ڈالنا (بات کا یقین دلانا) دل میں رکھنا۔ دل میں فرق آنا۔ دل ناصبور۔ دل نشیں۔ دلنواز۔ دل ہی دل میں ۔ دلنوازی۔ سنگ دل۔ بے دل۔ دل کا بخار نکالنا۔ دل میں چٹکیاں لینا۔ دل میں کانٹا کھٹکنا۔ دل میں گرہ پڑنا۔ میرا دل رو رہا ہے۔ میرا دل خوشی سے بھر گیا۔ میرا کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ نیویارک امریکہ کا دل ہے ۔ یک جان دو قالب۔ میرا دل روتا ہے۔

دل میں گھر کرنا۔ ایک دل ہو کر۔ دلوں میں فرق آنا۔ دل اچاٹ ہونا۔ فرزند دلبند۔ دلجمعی سے۔ صمیم قلب سے۔ دل بیٹھ جانا۔ دلگیر ہونا۔ دل دہل جانا۔ دلدادہ۔ دلجوئی کرنا۔ حسب دلخواہ۔ دل مو ہ لینا۔ دلسوز۔ دل آرام (سویٹ ہارٹ)۔ دل پارہ پارہ ہونا۔ دل پر چھریاں چلنا۔ دل پر سانپ لوٹنا۔ دل و جان پر کھیلنا۔ دل کی بازی لگانا۔ وسیع القلب۔ شقی القلب۔ دل باغ باغ ہو جانا۔ دل ٹٹولنا۔ دل موم ہو نا۔ دل میں سما جانا۔ دل کڑھنا۔ دل تلملانا۔ دل بہلانا۔ دل ڈوب جانا۔ دل چھونے والے مناظر۔ دل آ جانا۔ رقیق القلب۔

ڈکشنری میں انگریزی لفظ Heart کے معنی یہ درج ہیں: دل۔ قلب۔ من۔ سینہ۔ چھاتی۔ نفس روح۔ جرآت۔ ہمت۔ دل گردہ۔ نور نظر۔ جان من۔ وسط۔ بیچ کا حصہ۔ لب لباب۔ نچوڑ۔ اور Hearty کے معنی ہیں پر خلوص۔ خوش خلقی۔ خوش مزاج۔ پیٹ بھر کھایا جانیوالا۔ Hearten دلاسہ دینا۔ دل بڑھانا۔

دل اور زبان کا تعلق

زبان دل کی طرح تمام جسم پر حکمران ہے پھر دل سے اسکا دوہرا تعلق یوں ہے کہ جہاں ایک طرف دل سے صفات و کیفیات لے کر انہیں الفاظ کا جامہ پہناتی ہے وہاں دوسری طرف مختلف صورتوں کے نقوش و آثار اس تک پہنچاتی ہے اور اس کے ہر بیان سے دل ایک نہ ایک صفت حاصل کرتا رہتا ہے

مثلاً جب زبان محو آہ و فغاں ہوتی ہے اور نوحہ گری کی صورت میں پر الم اور دردناک الفاظ اس سے نکل رہے ہوتے ہیں تو دل میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے رقت و غم اور درد و سوز کہا جاتا ہے اور آتش دل کے بخارات اٹھ کر دماغ کا رخ کرتے ہیں اور پھر آنسوؤں میں تبدیل ہو کر آنکھ کے راستے باہر آنے لگتے ہیں اسی طرح جب زبان سے خوشی اور مسرت کے الفاظ نکل رہے ہوں تو دل میں کیف و نشاط کے آثار ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں غرض جس قسم کے الفاظ یا کلمات زبان سے نکلتے ہیں انہی کے عین مطابق کسی صفت حرکت یا کیفیت کا ظہور دل میں ہونے لگتا ہے

مثلاً زبان سے نکلنے والے کلمات بد ہوں تو دل پر بدی کی تاریکی چھا جاتی ہے اور جب کلمہ حق زبان سے نکلتا ہے تو دل میں روشنی پھیل جاتی ہے باتیں اگر جھوٹی ہوں تو دل میں بھی کج روی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر چیز ٹیڑھی دکھائی دیتی ہے جیسے آئینہ اگر ٹیڑھا ہو تو اشیاء کا عکس بھی ناہموار نظر آتا ہے پس دل کی درستی یا کج روی کا انحصار زبان کی راستی پر منحصر ہے (زبان کی آفت از اطہر بٹ رسالہ لاہور 23 دسمبر 2000)

دل کی پاکیزگی یعنی طہارت قلب مکمل ایمان کیلئے خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ دل میں پیدا ہونے والے خیالات زمین میں ڈالے ہوئے بیجوں کی طرح ہیں اگر خیالات نیک ہوں گے تو ان سے نیکی کا درخت پرورش پائیگا اور اگر یہ برے ہوں گے تو بدی کی خودرو بوٹیاں پیدا ہوں گی دل نیک ہو گا تو اس کے کنٹرول اور اثر سے انسان کی زبان ہاتھ۔ پاؤں آنکھیں۔ سبھی اچھے کام انجام دیں گے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے

Thou shall love the Lord thy God with all thy heart, and with all thy soul and with all thy mind (Luke Chapter 10)

اسی طرح بیان ہوا ہے

For where your treasure is, there will your heart be also

ہمیں چاہئے کہ دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل مقولہ کو مدنظر رکھیں:۔۔

To handle yourself, use your head, to handle others use your heart.

اردو شاعری اور بے چارہ دل

اب قارئین کی ظیافت طبع کے لئے اردو کے منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن میں دل کا لفظ شاعروں نے نہایت مہارت سے استعمال کیا ہے:

آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
اپنا ہنر دکھائیں گے ہم تجھ کو شیشہ گر
ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا
(رفیع سودا)

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
(میر درد)

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا کہ کچھ آرزو کریں
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہو گا
اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن میرا جی ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو تیرے پاس چھوڑے
میری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

ہمارے آگے تیرا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سے کہاں سے اٹھتا ہے
گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے
(میر تقی)

اسے دے چکے مال و جاں بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
ربط ہے جان محمد سے میری جان کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
کوئی یار سے جب لگاتا ہے دل
تو باتوں سے لذت اٹھاتا ہے دل
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے
دل کر کے پارہ پارہ چاہوں میں اک نظارہ
دیوانہ مت کہو تم عقل رسا یہی ہے
دیکھ لو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے
ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے کو شکار
(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

چلو فیض دل جلائیں کریں پھر سے عرض جاناں
وہ سخن جو لب تک آئے پر سوال تک نہ پہنچے
دل میں اب یوں ترے بھولے غم آتے ہیں
جیسے بچھڑے ہوئے کعبے میں صنم آتے ہیں
(فیض)

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے
ہر ایک بار مانگتی ہے نیا چشم یار دل
اک دل کے کس طرح بناؤں ہزار دل
مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل
آشفتہ دل ۔ فریفتہ دل ۔ بے قرار دل
سادگی پر اسکی مرجانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
یارب وہ نہ سمجھیں ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور
(غالب)

جگہ دیتے ہیں جب ہم انکو اپنے سینہ و دل میں
ہمیں وہ بیٹھنے دیتے نہیں کیوں اپنی محفل میں
بڑے چھوٹے سبھی کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں
تو پھر تشریف کیوں لاتے نہیں وہ کعبہ دل میں
بلاتے ہیں مجھے وہ پر جو میں اٹھوں تو کہتے ہیں
کدھر جاتا ہے او غافل میں بیٹھا ہوں تیرے دل میں
(کلام محمود)

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا
کوئی فتنہ تاقیامت نہ پھر آشکار ہوتا
ترے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا
یہ مزہ تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا
تمہیں ناز ہو نہ کیونکر کہ لیا ہے داغ کا دل
یہ رقم نہ ہاتھ لگتی نہ یہ افتخار ہوتا
(داغ دہلوی)

دل اور جدید سائینس

ایک سچا مسلمان وقتاً فوقتاً اپنے دل کی حالت کا جائزہ لیتا رہتا ہے یعنی یہ کہ وہ دوسروں کے متعلق اچھے خیالات رکھتا ہے اس کے ارادے نیک ہیں وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت سے پیش آتا ہے اور یہ کہ اسکا دل حق کا متلاشی ہے اور خدا کی محبت میں وہ سرشار ہے یا کہ نہیں؟ اگر ہے تو واقعی وہ دل محبت۔ رحمت۔ شجاعت۔ امانت۔ دیانت۔ صداقت خلوص اور عاجزی کا پیکر ہے۔ جو دل میں ہو وہ آنکھوں سے عیاں ہو جاتا ہے ۔

نظر ملا کے ذرا دیکھ مت جھکا آنکھیں
بڑھا رہی ہیں نگاہوں کا حوصلہ آنکھیں
جو دل میں عکس ہے آنکھوں سے بھی وہ جھلکے گا
دل آئینہ ہے مگر دل کا آئینہ آنکھیں

دل فی الحقیقت تمام جذبات کا سرچشمہ ہے اگر دل میں پاک اور نیک خیالات پرورش پائیں گے تو انسان نیکی کی طرف گامزن ہوگا اگر اسکے دل میں پراگندہ خیالات ابھریں گے تو وہ برائی کی ڈگر پر چل پڑے گا۔ دل میں ابھرنے والے خیالات اور جذبات زمین میں بوئے ہوئے ان بیجوں کی طرح ہیں جو پنپنے پر تن آور پودوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔دل کی پاکیزگی نیکی کے درخت کی نشوونما کے لئے مہمیز کا کام کرتی ہے اگر دل اچھا ہے تو انسان کے اعمال۔ گفتگو۔ ذہن اور نظر بھی اچھی ہوگی۔ خوب یاد رہے کہ دنیا کی محبت دل کا اندھیرا اور دین کی محبت دل کا نور ہے اور ہاں دل اداس ہو تو گونجتی شہنائیاں بھی انسان کو متوجہ نہیں کرتیں ہیں ۔

ہمارا دل ایک منٹ میں تقریباً 70 مرتبہ دھڑکتا ہے یعنی ایک دن میں ایک لاکھ مرتبہ اور انسان کی اوسط عمر میں تین بلین مرتبہ دل جو کبھی فریفتہ ہوتا ہے دل جو کبھی صنم آشنا ہوتا ہے دنیا کے ہر ملک ہر زبان میں ہر ثقافت میں محبت کی علامت سمجھا جاتا ہے چاہے انسان سات فٹ لمبا ہو یا پانچ فٹ لمبا ہو یا موٹا ہو یا پتلا ہو اس کے دل سائز اس کی مٹھی کے برابر ہوتا ہے سائینسدان کہتے ہیں کہ ماں کے رحم میں پرورش پانے والا بچہ اپنی ماں کے دل کی دھڑکن محسوس کرتا ہے۔

ایک چڑیا گھر میں ایک بندر کے بچے کو اس کی ماں کی وفات کے بعد زندہ رکھنے کیلئے موٹے موٹے کمبلوں کی گٹھڑی میں بند کر کے اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا پمپ لگا دیا گیا جس سے دھک دھک کی آواز پیدا ہونے لگی اور یوں اس بندر کو ماں کے دل کی دھڑکن کا احساس دلایا گیا

بلا شبہ جذبات کا منبع دل ہے اور عقل وفہم اور سوچنے کا منبع دماغ ہے ان دونوں کا آپس میں گہرا اور عمیق تعلق ہے انسان جب جذباتی ہوتا ہے تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے یا انسان اپنے محبوب کی گلی میں جائے تو دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے جبکہ اس گلی سے لوٹ آنے کے بعد دھڑکن نارمل ہو جاتی ہے۔ جب انسان کا آخری لمحہ زندگی آتا ہے تو ڈاکٹر دیکھتے ہیں کہ آیا مریض برین ڈیڈ ہونے کے ساتھ ہارٹ ڈیڈ بھی ہے کیونکہ بعض صورتوں میں مریض برین ڈیڈ تو ہو جاتا مگر اسکا دل برابر کام کرتا رہتا ہے۔ بعض عاشق صادق ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے دل کی تصویر کاغذ پر بنا کر اس میں تیر گزار دیتے ہیں۔ یہ عشق کا انتہائی مقام ہے اور ایسے مریض محبت کا علاج یہی ہے کہ وہ محبوب کا نام خموشی سے لیتا رہے ۔

انگلش زبان میں Cross your heart کے معنی سچی اور کھری بات بیان کرنے کے ہیں۔ امریکہ کا صدر جب اوتھ آف آفس یعنی حلف لیتا ہے تو وہ حلف کے الفاظ دہراتے ہوئے اپنا دایاں بازو مٹھی بند کر کے دل کے اوپر رکھتا ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ وہ یہ حلف صدق دل سے لے رہا ہے۔

پیس میکر Pace Maker

ہر دل میں فطرتی طور پر نیچرل پیس میکر لگا ہوتا ہے اگر یہ خراب ہو جائے تو مصنوعی پیس میکر لگا دیا جاتا ہے جو کہ ایک مصنوعی آلہ ہے یہ ان مریضوں میں لگایا جاتا ہے جن کے دل کی رفتار کسی بیماری کی بناء پر کم ہو جائے اس آلے کی مدد سے انسان کے دل کی بجلی کی رفتار کنٹرول کی جاتی ہے یہ Lithium Cadmium سے کام کرتا ہے اور سینے کے اوپر کندھے کے پاس پٹھوں میں جگہ بنا کر لگا دیا جاتا ہے اس کا سائز ماچس کی ڈبیا جتنا ہوتا ہے جس میں ایک تار دل کے چیمبر تک جاتی ہے اس بیٹری سے دل ایک معین رفتار سے دھڑکتا رہتا ہے۔ یہ بارہ سال تک کام کر سکتا ہے بیٹری جب ختم ہونے والی ہو تو اس کا پیغام بیپنگ سگنل سے مل جاتا ہے۔

دل کی بیماری کے ٹیسٹ

اللہ کسی کو دل کی بیماری نہ دے اگر لگ جائے تو بیماری کی نوعیت جاننے کے لئے ڈاکٹر کئی قسم کے ٹیسٹ کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو خون کے (کولیسٹرول) اندر چربی کی مقدار دیکھی جاتی ہے اور شوگر لیول دیکھا جاتا ہے نیز خون کے اندر یورک ایسڈ کی مقدار بھی چیک کی جاتی ہے۔ پھر ECG test کیا جاتا ہے تا معلوم ہو سکے کہ مریض کو اس سے پہلے دل کا عارضہ کبھی ہوا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ دل کا الٹرا ساؤنڈ بھی کیا جاتا ہے جو دل کی حرکت۔ والوز کی پوزیشن۔ اور دل کے چار خانوں کے حجم کے بارہ میں اطلاع دیتا ہے۔ بعض دفعہ نیوکلئر سکین بھی کیا جاتا ہے جس سے خون کا دوران چیک کیا جاتا ہے۔

دل کی تصویر بنانے کیلئے ڈاکٹرز کسی زمانے میں ایکس رے مشین استعمال کرتے تھے مگر اب جدید ٹیکنالوجی کے طفیل دل کی تصویر کشی اب ایکو کارڈیو گرافی اور الیکٹرو کارڈیو گرافی کے ذریعہ کی جاتی ہے اور دل کا تمام حال معلوم کر لیا جاتا ہے اور دل کے نہاں خانے میں چھپی ہوئی تصاویر بھی سامنے آجاتی ہیں ۔

انجیو گرافی ٹیسٹ میں مخصوص رنگ کا مادہ یعنی ڈائی خون کی شریانوں میں ڈالتے ہیں اور پھر اس ڈائی کو دل کے خاص پمپنگ چیمبر میں ڈال کر یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ اس کی نالیاں نارمل ہے یا نہیں؟ اگر ڈاکٹر یہ محسوس کرے کہ مریض کو اوپن ہارٹ سرجری کی ضرورت ہے تو بائی پاس سرجری کی جاتی ہے جس میں عموماً ٹانگ سے خون کی صحت مند نالی لے کر دل کا جو رکاوٹ والا حصہ ہے اس سے بائی پاس کر کے یہ صاف نالی لگا دی جاتی ہے اسطرح خون بجائے اس رکاوٹ والے حصہ سے گزرنے کے بائی پاس سے ہوتا ہوا آگے چلا جاتا ہے ۔ بعض صورتوں میں دل کے خراب والو کو بھی تبدیل کر دیا جاتا ہے یا دل کا والو تنگ ہو جائے تو اسے کھولنے کے لئے اوپن ہارٹ سرجری کی جاتی ہے۔

دنیا میں سب سے پہلی اوپن ہارٹ سرجری ڈاکٹر کرسچین برنارڈ نے 1967 میں کی تھی۔ اسکی وفات دل کے حملہ سے 3 ستمبر 2001 کو قبرص کے جزیرہ پر ہوئی ۔

انجیو پلاسٹی میں اگر شریانیں بند ہو جائیں تو ایک چھوٹا سا کیمرہ جسم کے اندر داخل ہو کر فوٹو لیتا ہے اور پھر ان متاثرہ شریانوں کو غبارے کے ذریعہ کھول دیا جاتا ہے۔

دل کے متعلق دلچسپ حقائق

ہمارا دل جسم کے اندر تقریباً سینہ کے عین درمیان میں ہوتا ہے یعنی پھیپھڑوں کے درمیان میں ۔ مگر چونکہ اسکی دھڑکن بائیں طرف سے محسوس ہوتی ہے اس لئے لوگ سمجھتے کہ یہ بائیں طرف ہوتا ہے۔ ایک بچے کے دل کا سائز اسکی مٹھی کے برابر اور نوجوان آدمی کا دل اسکی دو مٹھیوں کے برابر ہوتا ہے ۔ دل کا اوسط وزن دس اونس ہوتا ہے۔ بالغ آدمی کا دل ایک منٹ میں ڈیڑھ گیلن (7-5 لیٹر) خون سرکولیٹری سسٹم میں پمپ کرتا ہے یعنی 87 گیلن ایک گھنٹے میں، 2100 گیلن ایک دن میں ۔ ایک سال میں 400744 گیلن اور 56 ملین گیلن 74 سال میں خون کی شریانوں میں پمپ کرتا ہے جو ساٹھ ہزار میل لمبی ہوتی ہیں۔

دل ایک منٹ میں 72 مرتبہ دھڑکتا ہے یعنی 4300 مرتبہ ایک گھنٹہ میں۔ 401000 ایک دن میں اور 38 ملین دفعہ ایک سال میں۔ ہمارا دل بجلی سے کام کرتا ہے اس کو 5.2 واٹ بجلی کی ضرورت ہوتی ہے ۔

ماں کے رحم کے اندر بچے کا دل ایک منٹ میں 150 مرتبہ دھڑکتا ہے۔ عورت کا دل ایک منٹ میں 75 مرتبہ دھڑکتا ہے، جس مطلب یہ ہے کہ عورت کا دل مرد کی نسبت ایک سال میں 5.1 ملین مرتبہ زیادہ دھڑکتا ہے نیند کے دوران دل ایک منٹ میں 55 مرتبہ دھڑکتا ہے ۔ بعض دفعہ خوف سے انسان کا دل 102 مرتبہ فی منٹ دھڑکنے لگتا ہے اگر دھڑکن 150 تک پہنچ جائے تو موت واقع ہو سکتی ہے ۔

اپنی نبض محسوس کرنے کیلئے ہاتھ کی دو انگلیاں گردن پر یا کلائی پر رکھیں نبض جو آپ محسوس کرتے ہیں یہ خون کے شریانوں کے اندر آنے جانے کی رفتار ہے بچوں کی نبض نوے سے لیکر ایک سو بیس فی منٹ ہوتی ہے مگر بالغ آدمی کی نبض 72 فی منٹ ہوتی ہے۔

جسم میں سب سے بڑی شریان کو AORTA کہتے ہیں جبکہ Capillaries کا سائز بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے یعنی دس کپیلریز ایک انسانی بال کے اندر سما سکتی ہیں۔ جب انسان چھینک مارتا ہے تو آنکھیں بند ہو جاتیں اور دل بھی ایک لحہ کیلئے رک جاتا ہے عورت اور مرد کے اختلاط کے دوران سب سے زیادہ بوجھ دل پر پڑتا ہے اور یہ ایک برقی لحہ کیلئے رک جاتا ہے

انسانی جسم کے اندر 6.5 لیٹرز خون ہوتا ہے یہ خون پورے جسم کے اندر ایک منٹ میں تین مرتبہ گھومتا ہے جبکہ ایک دن میں یہ 91,000 کیلومیٹر (بارہ ہزار میل) سفر کرتا ہے۔ یاد رہے کہ اوسط زندگی میں دل ایک ملین بیرل خون پمپ کرتا ہے

مقدور ہمیں کب تیرے وصفوں کے رقم کا
حقا۔ کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
ہے خوف اگر جی میں۔ تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

ارشادات حضرت احمد علیہ السلام

اس مضمون کو اب ہم مہدی دوراں حضرت مرزا غلام احمد صاحب صاحب مسیح موعود علیہ السلام کے دل کے بارہ میں پیارے ایمان افروز، اور فکر انگیز ارشادات کے ساتھ ختم کرتے ہیں:

انسان کا اپنا دل اس کے لئے آئینہ ہے (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 69) نجات اس کو ملتی ہے جو دل کا صاف ہو (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 71) دل کے کھولنے کی کنجی خدا کے ہاتھ میں ہے (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 167) دل کا شکستہ کرنا گناہ ہے (ملفوظات جلد ششم صفحہ 54) اگر اللہ کو تلاش کرنا ہے تو مسکینوں کے دل کے پاس تلاش کرو (ملفوظات جلد ششم صفحہ ۵۴) برکات اور فیوض الٰہی کے حصول کیلئے دل کی صفائی کی بہت ضرورت ہے

(ملفوظات جلد ششم صفحہ 376)